مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماهنامه نقوش اسلام

VOL.No.4	نومبر، دسمبر ۲۰۰۹ء (Nov.December,2009) ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ	Issue.No.9.10

زیر سرپرستی

مفکر ملت حضرت سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسار پوری
عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی　مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی　الحاج موسیٰ اسماعیل درسوت
مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی　مولانا محمد احمد صالح جی
مولانا حافظ محمد ایوب　مولانا یحییٰ بام　مولانا محمد اختر قاسمی

مجلس ادارت

❁ مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر: محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی: حافظ عبدالستار عزیزی

مدیر معاون: ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masood _azizinadwi@yahoo.co.in
ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفر آباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ..................۱۰؍روپے
سالانہ......................۱۰۰؍روپے
خصوصی...... ......۳۰۰۰؍روپے
ایشیائی، یورپی افریقی و امریکی ممالک کے لیے ۲۰؍ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 09719639955

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
09675335910/ 09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER MOHD.MASOOD AZIZI NADVI
PRINTED BY UNION PRINTING PRESS DEOBAND SAHARANPUR PUBLISHED AT
Vill&P.O.MUZAFFARABAD, DISTT.SAHARANPUR (U.P) **EDITOR**:MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

E:\Photo Darul Uloom\Album DU\Tif Files\A017.TIF not found.
Uloom\Album DU\Tif Files\A003.TIF not found.
E:\Photo Darul Uloom\Album DU\Tif Files\A017.TIF not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
شکوے شکایات	محمد مسعود عزیزی ندوی	
سیرت نبوی		۶
آفتاب رسالت ﷺ کی حیات طیبہ اور......	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	
اعجاز قرآنی		۱۳
قرآن کریم کا اعجاز اور اس کے فنی محاسن	مولانا مفتی رحمت اللہ ندوی لکھنؤ	
تبرکات اکابر		۱۷
ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ	مولانا محمد حسین للہی	
غوروفکر		۲۰
حج وعمرہ، ویزہ کی خرید وفروخت	مفتی محمد جعفر ملی رحمانی	
اصلاحیات		۲۳
احتیاط سے کیجئے لباس کا انتخاب	مولانا اسرار الحق قاسمی، نئی دہلی	
فکروعمل		۲۶
وقت کا پیغام اہل مدارس کے نام	مولانا حفظ الرحمٰن کاکوسی، پالن پور	
انکشاف		۲۸
امریکہ مسلمانوں کی دریافت	خالد سلیم یمنا نگر وہار، دہلی	
جائزہ		۳۰
امت کی تشکیل نو میں نوجوانوں کا کردار	ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی بھٹکل	
شخصیات		۳۲
علامہ سید سلیمان ندویؒ	محمد دلشاد ندوی، رائے بریلی	
فضائل		۳۴
نماز کی اہمیت وفضیلت	مولانا محمد حذیفہ وستانوی	
یاد رفتگاں		۳۹
قلب وجگر فگار ہیں کیا سانحہ ہوا	الحاج منشی عبدالغفور، نعمت پور	
احتساب		۴۲
مسلم معاشرہ مغربی تہذیب کا دلدادہ	مولانا محمد ریاض کھجناوری، لکھنؤ	
گوشہ خواتین		۴۵
پردہ کے سلسلہ میں بوڑھی عورتوں کا حکم	محترمہ سارہ عزیزی	
تبصرے		۴۶
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
حالات حاضرہ		۴۸
عالمی خبریں	حافظ عبدالستار عزیزی	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰...........
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰...........
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰...........
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰...........
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰...........
¼ صفحہ //		۴۰۰...........

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۱۰۰/ روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کراکے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

شکوے شکایات

محمد مسعود عزیزی ندوی

مرکز احیاء الفکر الاسلامی میں رمضان سے قبل ''ڈپلومہ ان انگلش لنگویج اینڈ لٹریچر'' کے دوسالہ کورس کا شعبہ قائم ہوا، جس میں پڑھنے کے لیے بیس فضلاء کا انتخاب ہوا، انتخاب کے بعد جب ان فضلا کے ساتھ خصوصی تعارفی نشست کی گئی تو بعض فضلا نے سوالات کیئے کہ ہم کو کیا کیا سہولیات ملیں گی؟ کتنا وظیفہ ملے گا؟ کھانے میں کیا کیا ملے گا وغیرہ وغیرہ، راقم نے مختصر بات کی اور عرض کیا کہ چونکہ آپ حضرات فضلا ہیں، مدارس کے ماحول سے گزر کر آرہے ہیں، مدارس کا ماحول، وہاں کا رہن سہن اور وہاں کی سہولیات سے آپ بخوبی واقف ہیں، نیز تعلیم وتربیت اور مدارس کے سلسلہ میں مزید کوئی بات، قرآنی آیات اور احادیث کو آپ کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت نہیں چونکہ آپ سب باتوں سے باخبر ہیں، اس لیے آپ مختصراً یہ سمجھ لیں کہ ہمارے یہاں دیہات کا ماحول ہے، آپ یہ سمجھ کر آئیں کہ آپ کو فاقے کرنے پڑیں گے اور گھاس پر سونا پڑے گا، میں یہ بات کہہ کے فارغ ہی ہوا تھا کہ فوراً دارالعلوم دیوبند کے شعبہ انگریزی کے ایک استاذ نے محاذ سنبھالا اور ان فضلا کو آگاہ کیا کہ یہ آپ کا امتحان ہے، آپ کی آزمائش ہے، آپ کو سب کچھ ملے گا اور ان کو یقین دلایا، مگر خوش قسمتی کہ ان میں سے صرف دو سعادت مند فضلا آئے باقی نہیں آئے، ایک فاضل جو خود ایک دیہات کے رہنے والے تھے، ایسے دیہات کے کہ ان کے گاؤں میں ڈاکخانہ بھی نہیں ہے، انہوں نے فون پر بتلایا کہ کہاں ہمیں جنگل میں ڈالدیا گیا، ہم نہیں آئیں گے، اس کے بعد ہم نے بفضل الہی ایسے فضلاء کا انتخاب کیا، جن کو سب باتیں منظور تھیں، وہ ماشاء اللہ انگریزی کی تحصیل میں محنت کررہے ہیں، اور الحمدللہ ان کو تمام سہولیات مہیا کرائی گئی ہیں۔

❁❁❁ ❁❁❁

ایک مرتبہ ایک فاضل ہمارے پاس آئے، اور انہوں نے ہمارے مشفق ومربی استاذ کا واسطہ دیا کہ انہوں نے بھیجا ہے کہ جہاں تمہاری طبیعت لگے اور ماحول پسند آئے، وہاں تم کام کرسکتے ہو، راقم نے ان صاحب کا استقبال کیا، صبح کو جب وہ ہمارے ایک عالم دوست کے یہاں جانے لگے جو ایک ادارے کے ذمہ دار ہیں، تو انہوں نے کہا کہ فون کرلیا جائے اور معلوم کرلیا جائے کہ مولانا وہاں پر ہیں یا نہیں، میں نے فون کیا اور ان کو ان فاضل صاحب کی آمد کی اطلاع دی کہ یہ آپ کے یہاں آنا چاہ رہے ہیں، مولانا نے جو جواب دیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، انہوں نے کہا کہ اگر وہ مہمان کی حیثیت سے آتے ہیں، تو بہت اچھا، ان کا استقبال کیا جائے گا؛ لیکن اگر وہ کام کرنے کے لئے طبیعت اور ماحول کی سازگاری کو دیکھنے کے لیے آرہے ہیں، تو ان کی ضرورت

نہیں، ہمیں تو وہ چاہئے جو کام کرنیوالا اپنی طبیعت اور اپنے ماحول کو ہماری طبیعت اور ہمارے ماحول کے مطابق ڈھالنے والا ہے اس کی ضرورت ہے، یہ بات سن کر مجھ کو بہت اچھا لگا کہ واقعی طور پر ایسے ہی آدمی کام کر سکتے ہیں، باقی جو طبیعت کے، ماحول کے، عیش وعشرت اور راحت وآرام کے متلاشی ہیں، وہ کوئی بڑا انقلابی، اصلاحی، دعوتی اور علمی کام نہیں کر سکتے۔

❁❁❁

دراصل جس وقت کوئی طالب علم فاضل یا عالم بن کر یا کوئی بھی ڈگری لے کر کسی بڑے ادارہ سے فارغ ہوتا ہے، تو اس کا دماغ اور سوچ چوتھے نہیں بلکہ ساتوے آسمان پر ہوتی ہے، کیونکہ وہ بڑے اداروں کی بڑی بڑی عمارتیں، ہاسٹلس وغیرہ دیکھ کر آتے ہیں اگرچہ اس سے پہلے وہ بھی کسی چھوٹے سے مدرسے یا مکتب سے پڑھ کر اس بڑے ادارے میں داخل ہوئے ہوتے ہیں، مگر فراغت کے بعد وہ اپنی اصلیت کو یکدم فراموش کر دیتے ہیں اور جلدی سے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے، یہ بات الگ ہے کہ چند سالوں کے بعد ان کا دماغ ٹھکانے لگ جاتا ہے، ورنہ تو ان کو مدرسہ میں اگر استاذ یا ملازم رکھا جائے تو ان کے نخرے اور ان کی ایمان ویقین کی باتیں اتنی اعلی ہوتی ہیں کہ تصور نہیں کیا جا سکتا، بلکہ بعض تو یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ میں چندہ نہیں کروں گا، چونکہ میں نے ابھی تک یہ کام کیا ہی نہیں، اس کو معلوم نہیں کہ اب تک وہ فاضل یا عالم جو بنا ہے وہ چندہ کے پیسے کھا کر ہی بنا ہے، ہاں اگر کوئی فاضل یا عالم اپنے پیسے سے اور اپنا خرچ خود اٹھا کر بنا ہے اور وہ یہ شرط لگاتا ہے تو اس کے لیے جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے، گو کہ اس کو بھی اگر دینی مدارس میں پڑھانا ہے، یا دینی خدمت انجام دینی ہے، تو چندے سے انکار نہ ہونا چاہئے، اس لیے کہ وہ اپنے لیے نہیں بلکہ دین کی اشاعت کے لیے چندہ کر رہا ہے، لیکن جس نے آٹھ دس سال تک مدرسے میں چندہ کے پیسے کھا کر ہی گزر بسر کی ہو، اس کو یہ شرط لگانا زیب نہیں دیتا، اس لیے کہ تمام مدارس کے کاروبار کا انحصار چندہ پر ہی ہے، اگر یہ فعل قبیح اور شان کے خلاف ہے تو کسی بھی شریف آدمی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ چندہ کرے، پھر تو مدارس کا وجود خطرے میں ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی وجہ ہے کہ آج کل افراد کا انحطاط ہے، کام کرنے والوں کی کمی ہے، کیونکہ مدارس میں داخل ہوتے وقت اکثر غریب بن جاتے ہیں، حالانکہ طالب علم کے گھر پر پچاس یا سو بیگہ زمین ہے، اگر ذمہ داران طالب علم یا اس کے وارث سے کہتے ہیں کہ بھائی آپ تو مستطیع ہیں آپ کھانے کے اتنے پیسے جمع کر دیں، تو طالب علم کے وارث کہتے ہیں، اجی بس اس کو تو اسی طرح داخل کر لو، یہاں تو مدرسہ میں اللہ نے بہت دے رکھا ہے، وہ یہ بھول جاتا ہے کہ یہاں پر زکوۃ کی رقم آتی ہے، صدقہ کی رقم آتی ہے اور تیرے بچے کے لیے یہ زکوۃ کی رقم کھانا اور اس کا استعمال صحیح نہیں بلکہ جائز ہی نہیں ہے، اور ساتھ میں وہ بڑے دھڑلے سے یہ بھی کہتا ہے کہ جی اصل میں اس کا بڑا بھائی فلاں کالج میں یا فلاں یونیورسٹی میں پڑھتا ہے اور اس کی سال بھر کی فیس ایک لاکھ دو لاکھ یا اتنے لاکھ جمع کرنی ہوتی ہے، بس اس کو تو یونہی داخل کر لو، پھر طالب علم فاضل بن کر یہ کہتا ہے کہ جی چندہ کا کام مجھ سے نہ ہو سکے گا، لوگ کیا کہیں گے وغیرہ وغیرہ۔

❁❁❁

رمضان سے قبل کئی حضرات کو اور مدارس کے بڑے ذمہ داران کو عرض کر رکھا تھا کہ کوئی اچھا قاری اگر مل جائے تو اس کو بھیج دیجئے، مگر ابھی تک نہیں مل سکا ہے، اسی طرح ایک فاضل یا عالم کے لیے کئی بڑے اساتذہ اور بڑے ذمہ داران سے اور بعض اپنے

بے تکلف دوستوں سے گزارش کی کہ کوئی اچھا عالم دید یجئے، مگر تقریباً سب کا ایک ہی جواب ہے کہ ''آدمی نہیں'' اور یہ احساس وتجربہ صرف راقم کا نہیں بلکہ اکثر متوسط اور چھوٹے مدارس کے ذمہ داران کا ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر کہوں کہ بڑے مدارس کا بھی ہے، چونکہ ہم براہ راست بڑے مدارس کے ذمہ داران سے بھی رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں، اور حیرت کی اس وقت انتہا ہو جاتی ہے جب بڑے اداروں کا بھی اشتہار اخبار میں دیکھتے ہیں کہ فلاں شعبہ میں ایک عالم، ایک قاری کی ضرورت ہے۔

ان باتوں کے پیش نظر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے مدارس سے فارغ ہونے والے قراء اور فضلا کہاں جارہے ہیں، اور وہ کس نوعیت کے پیدا ہورہے ہیں، اور کیا وجہ ہے کہ ایسے لوگ فارغ ہورہے ہیں جن کے اندر زندگی نہیں، جن کے اندر روح نہیں، جن کے اندر دنیا کے لیے کوئی پیغام نہیں، امت کے لیے کوئی دعوت نہیں، انسانیت کے لیے کوئی رحم نہیں، کام کرنے کا جذبہ نہیں، قوم کے لیے کچھ کرنے کا حوصلہ نہیں، سسکتی، بھٹکتی اور دم توڑتی انسانیت کے لیے کوئی غم خواری وہمدردی نہیں، کوئی ایثار وقربانی نہیں، خدارا غور کیا جائے، امت کو کیا ہوگیا ہے، اگر چہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں کہ امت بانجھ ہوچکی ہے، بلکہ حالات واحساسات کے تناظر میں ایک جائزہ ہے، لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس وقت قحط الرجال ہے، امت کو ضرورت ہے افراد کی، کام کرنے والوں کی، لوگ مدارس کی افادیت کا انکار کررہے ہیں، اور حال یہ ہے کہ مدارس سے ابھی ضرورت پوری نہیں ہورہی ہے، تو کیا مدارس کی اور ضرورت ہے؟ یا جو مدارس ہیں ان کو مضبوط کرنے کی اور قابل افادہ بنانے کی؟ یہ ایک لمحہ فکریہ ہے، اور امت کے سرکردہ اور ذمہ داران افراد کے لیے ایک تازیانہ بھی ہے، جس کے لیے بڑی فکر اور سوچ کی ضرورت ہے، کاش کہ کوئی مجدد، مصلح یا انقلابی داعی کھڑا ہو، اور وہ اپنی حکمت ودانائی اور ربانی فراست اور ایمانی قوت سے قوم کی نیا کو پار لگائے، ورنہ تو ہر چوراہے پر لٹیرے اور ہر ساحل پر راہ زن ہیں۔

شوگر ختم

جو لوگ شوگر کے مرض میں مبتلا ہوں وہ اب مایوس نہ ہوں، قدرت نے ہر بیماری کے ساتھ اس کا علاج بھی پیدا کیا ہے، ہمارے دیسی علاج سے شوگر کا مرض ہمیشہ کے لیے ختم ہوجاتا ہے اور دوبارہ اس کا حملہ نہیں ہوتا، شوگر کے وہ مریض جو انگریزی دوائیں کھاتے کھاتے پریشان ہوگئے ہوں اور آرام نہیں ہوتا تو وہ علاج کے لیے آج ہی ہمیں لکھیں، ملیں یا فون پر رابطہ کریں۔

مایوسی کی ضرورت نہیں

بواسیر- پتھری- پورے بدن کا درد- گٹھیا- سانس کا پھولنا
اس کے علاوہ
زنانہ ومردانہ پوشیدہ امراض کا مکمل کامیاب علاج
کمزوری چاہے کسی بھی عمر میں ہو
شادی سے پہلے یا بعد میں کھوئی ہوئی طاقت دوبارہ حاصل کریں۔

فون نمبر: 05922-250995
موبائل: 09412391643

پھول والے حکیم

محلّہ ملانہ، امروہہ، ضلع جے۔ پی۔ نگر
(یو۔ پی) 244221

اشتہار

سیرت نبوی

آفتاب رسالت کی حیات مقدسہ اور سیرت طیبہ کا اجمالی تعارف

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

ولادت باسعادت:

بوقت صبح صادق بروز دوشنبہ ۹ر یا ۱۲ر ربیع الاول بمطابق ۲۰ر اپریل ۵۷۱ء جب کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی وفات ہوچکی تھی، آپ نے سب سے پہلے اپنی والدہ محترمہ آمنہؓ کا دودھ نوش فرمایا، تین دن بعد حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا، ایک ہفتہ بعد حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی آغوش رضاعت میں اور پھر پانچ سال کی عمر میں اپنی والدہ کی آغوش شفقت میں تشریف لائے۔

مدینہ منورہ کا پہلا سفر اور والدہ محترمہ حضرت آمنہ کی وفات بمقام ابواء:

ابواء سے آپ کی دایہ حضرت ام ایمن بعمر ٦ر سال آپ کو مکہ مکرمہ لے آئیں اور آپ چچا ابو طالب کی کفالت میں آگئے، ذیل میں ان واقعات کو بیان کیا جارہا ہے جو آپ کے ساتھ پیش آئے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس کی وقت کتنی تھی ملاحظہ ہو۔

- آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کی وفات عمر ۸ر سال۔
- شام کا پہلا تجارتی سفر ہمراہ چچا ابوطالب عمر ۱۲ر سال۔
- حضرت خدیجہ الکبریٰؓ سے نکاح عمر ۲۵ر سال۔
- اہل مکہ کی طرف سے صادق وامین کا خطاب عمر ۳۰ر سال۔
- غیبی اسرار ورموز کا آغاز وظہور عمر ۳۳ر سال۔
- حجر اسود نصب کرنے کے لیے بحیثیت حکم تقرر عمر ۳۵ر سال۔
- غار حرا میں شب وروز عبادت میں مصروف عمر ۳۷ر سال۔
- بعثت نبوت بروز دوشنبہ ۹ر ربیع الاول ۴۱ھ عمر ۴۰ر سال۔
- نماز فجر اور عصر کی فرضیت یا نفلیت ۲/۲ر رکعت ۱ نبوی۔
- آغاز نزول قرآن مجید ۱۷ر رمضان المبارک ۱ نبوی، مطابق ۱۷ر اگست ٦۱۰ء۔
- دار ارقم تبلیغ ودعوت اسلام کے مرکز کا قیام ۱ نبوی۔
- چالیس افراد کا قبول اسلام عمر ۴۲ر سال ۳ نبوی۔
- مسلمانوں کی پہلی ہجرت حبشہ عمر ۴۵ر سال ۵ نبوی۔
- کفار مکہ کی طرف سے بائیکاٹ اور قید کی زندگی عمر ۴۷ر سال یکم محرم سن ۷ نبوی۔
- معاشرتی بائیکاٹ کا خاتمہ چچا ابو طالب کا انتقال اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات عمر ۵۰ر سال ۱۰ نبوی۔
- واقعہ معراج، فرضیت نماز خمسہ عمر ۵۰ر سال ۲۷ر رجب ۱۰ نبوی۔
- مدینہ منورہ کے ۱۲ر افراد کا قبول اسلام اور بیعت عقبہ اولی عمر ۵۲ر سال ذی الحجہ ۱۲ نبوی۔
- مدینہ منورہ کے ۷۲ر افراد کا قبول اسلام اور بیعت عقبہ ثانیہ عمر ۵۳ر سال ۱۳ نبوی۔
- ہجرت از مکہ مکرمہ اور داخلہ غار ثور عمر ۵۴ر سال ۲۷ر صفر ۱۳ر نبوی یوم پنجشنبہ۔
- قبا میں تشریف آوری ۸ر ربیع الاول ۱۳ نبوی، دوشنبہ۔
- داخلہ مدینہ منورہ فرضیت جمعہ کا حکم قیام بر مکان ایوب انصاری عمر ۵۴ر سال ۲۳ر ستمبر ٦۲۲ء سن ۱ھ۔

✿ بنیاد مسجد نبوی عمر ۵۴/سال ۲۲/ربیع الاول ۱ھ۔

✿ حکم تحویل قبلہ و مسجد قبلتین ۱۵/شعبان ۲ھ یوم شنبہ، فرضیت روزہ، زکوۃ، جہاد یکم رمضان المبارک ۲ھ، نماز عید الفطر کی ادائیگی یکم شوال ۲ھ، معرکہ بدر ۱۷/رمضان ۲ھ عمر ۵۵/سال ۲ھ۔

✿ معرکہ احد و حرمت شراب عمر ۵۶/سال ۳/۴ھ۔

✿ قاری القرآن صحابہ کرام کی شہادت عمر ۵۷/سال ۴ھ۔

✿ غزوہ خندق عمر ۵۸/سال ۵ھ۔

✿ زنا قذف لعان کے فوجداری قوانین کا نفاذ اور پردے کا حکم عمر ۵۸/سال ۵ھ۔

✿ صلح حدیبیہ عمر ۵۹/سال ذیقعدہ ۶ھ۔

✿ فتح خیبر و سلاطین عالم کے نام دعوت اسلام کے خطوط ۷ھ۔

✿ فتح مکہ مکرمہ ۲۰/رمضان المبارک ۸ھ۔

✿ اسلامی حکومت کا قیام، حکام کا تقرر، فوجوں کا انتظام سیاسی انتظامات غیر مسلم اقوام سے سلوک عمر ۶۰/سال ۸ھ۔

✿ صدقات و زکوۃ کے محصلوں کا تقرر عمر ۶۱/سال ۹ھ۔

✿ واقعہ تبوک ادائیگی حج بامارت حضرت صدیق اکبرؓ ذی الحجہ ۹ھ مختلف قبائل اور ممالک وفود کی آمد ۹ھ۔

✿ مختلف ممالک، یمن، بحرین، عمان یمامہ تک اسلامی اثرات، حجۃ الوادع آپ کا امت سے آخری خطاب عمر ۶۳/سال ۱۰ھ

✿ مسجد نبوی میں صحابہ کرام سے آخری خطاب وصال سے ۵/روز قبل پنجشنبہ نماز ظہر وصال بعمر ۶۳/سال بروز دوشنبہ بوقت چاشت ۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ، تدفین جسد اطہر ۳۲/گھنٹے بعد منگل بدھ کی درمیانی شب۔

قبل از نبوت حضور ﷺ کے خصوصی دوست:

(۱) حضرت ابوبکر صدیق (۲) حضرت حکیم بن حزام رئیس مکہ اور حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی (۳) حضرت ضماد بن شعلبہ بنی ازد قبیلہ کے معروف طبیب تھے جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کلام اللہ سن کر اعلان کیا تھا کہ یہ کسی مجنون کا کلام نہیں ہے اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا اجمالی تعارف

اسم گرامی	سن نکاح	عمر بوقت نکاح	عمر مبارک	کتنے سال رہی	مدفن
حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ	۲۵/ولادت نبی	۴۰/سال	۲۵/سال	۲۵/سال	مکہ مکرمہ
,, سودہؓ	۱۰/ولادت نبی	۵۰/سال	۵۰/سال	۱۴/سال	مدینہ منورہ
,, عائشہ صدیقہؓ	۱۰/ولادت نبی	۱۹/ماہ	۵۰/سال	۹/سال	,,
,, حفصہؓ	شعبان ۳ھ	۲۲/سال	۵۵/سال	۸/سال	,,
,, زینت بنت خزیمہؓ ,,	۳ھ	۳۰/سال	۵۵/سال	۳/ماہ	,,
,, ام سلمہؓ	سن ۴ھ	۲۶/سال	۵۶/سال	۷/سال	,,
,, زینب بنت جحشؓ	سن ۵ھ	۲۶/سال	۵۷/سال	۶/سال	,,
,, جویرہؓ	شعبان سن ۵ھ	۲۰/سال	۵۷/سال	۶/سال	,,
,, ام حبیبہؓ	سن ۶ھ	۳۶/سال	۵۷/سال	۶/سال	,,
,, صفیہؓ	سن ۷ھ جمادی الاخری	۱۷/سال	۵۸/سال	۴/یا ۳ سال ۹ ماہ	,,
,, میمونہؓ	سن ۷ھ	۳۶/سال	۵۹/سال	۳ سال ۹ ماہ	,,

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سن ۶/ہجری میں شاہ مقوس نے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا، یہ آپ کی باندی تھیں۔

سیدالکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندان ارجمند تین تھے، حضرت قاسم، حضرت عبداللہ اور حضرت ابراہیم۔

حضرت عبداللہ کی کنیت طیب و طاہر ہے، طیب سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ کنیت ہے اور طاہر حضرت خدیجہ کی طرف سے تھی بڑے بیٹے کی مناسبت سے سیدالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ہے، حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ حضرت خدیجہ کی اور حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ کی اولاد میں سے تھے، بڑے حضرت قاسم اور چھوٹے حضرت ابراہیم تھے، حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ مکہ مکرمہ میں پیدا

ہوئے اور وہیں مدفون ہیں، حضرت ابراہیم مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں مدفون ہیں، یہ سب بچپن میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں:

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں، چاروں حضرت خدیجۃ الکبری کی اولاد تھیں اور سب کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا:

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سب سے بڑی تھیں، حضرت زینب کا نکاح ان کی والدہ محترمہ نے اپنی خالہ کے بیٹے ابوالعاص سے کیا تھا، ایک بیٹا علی اور ایک بیٹی امامہ ان کی اولاد تھی، سن ۸ھجری میں مدینہ منورہ میں حضرت زینب کی وفات ہوئی۔

سیدہ رقیہ:

یہ حضرت زینب سے چھوٹی تھیں، ان کا نکاح قبل از اسلام ابولہب کے بیٹے عتبہ کے ساتھ ہوا تھا، ظہور اسلام کے بعد طلاق ہوئی اور حضرت عثمان غنی سے ان کا نکاح ہوا، ان کی اولاد میں ایک لڑکا عبداللہ ہے، سیدہ رقیہ کی وفات سن ۲ ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔

سیدہ ام کلثوم:

یہ حضرت رقیہ سے چھوٹی تھیں ان کا نکاح بھی قبل از اسلام ابولہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ سے ہوا تھا، اسی طرح ان کو بھی طلاق ہوئی اور سیدہ رقیہ کی وفات کے بعد حضرت عثمان غنی کے نکاح میں آئیں، اسی لیے حضرت عثمان غنی کو ذی النورین یعنی دونور والے کے لقب کا شرف واعزاز حاصل ہوا، حضرت ام کلثوم نے سن ۹/ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ:

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی ان کا نکاح حضرت علی سے ہوا، آپ کی اولاد میں ۲/ بیٹے حضرت حسن، حضرت حسین اور دو بیٹیاں حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم ہیں، حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروق سے ہوا۔

حضرت فاطمہؓ نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد ۳/رمضان سن ۱۱/ہجری کو وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہیں، حضرت حسن کی قبر بھی والدہ مرحومہ کے پاس ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا نام عبداللہ، دادا کا نام عبدالمطلب بن ہاشم تھا اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ تک پہنچتا ہے، ماں کا نام آمنہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بہن:

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ شریک (رضاعی) بھائی بہن چار تھے۔

عبداللہ، انیسہ، حدیقہ، حذافہ جو شیما کے لقب سے مشہور تھیں، ان میں سے حضرت عبداللہ اور شیما اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے، باقی کا حال معلوم نہیں، آپ کے چچا حضرت حمزہ نے بھی بچپن میں حضرت ثویبہ کا دودھ پیا تھا، اس لیے وہ بھی رضاعی بھائی تھے۔

آفتاب نبوت کی زبان مبارک:

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک عربی تھی، اللہ تعالی نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید کو عربی میں نازل فرمایا اور اہل جنت کی زبان بھی عربی ہوگی۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس مبارک:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً سفید سادہ موٹا اور روئی سے تیار شدہ لباس استعمال فرماتے تھے، ملبوسات میں جبہ، چادر، عمامہ، ٹوپی، جبہ، موزے، ازار بند وغیرہ چیزیں شامل تھیں، کبھی سیاہ عمامہ اور اکثر عمامہ کے نیچے ٹوپی استعمال فرماتے تھے، سبز رنگ کی یمنی چادر آپ کو بہت پسند تھی، سرخ لباس مردوں کے لیے منع فرماتے، عمامے کے شملے دونوں پیچھے شانہ مبارک پر ہوتے۔

حضور خاتم الانبیاء کا سامان زندگی:

حضرت عائشہ کے گھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر چمڑے کا

تھا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا اثاثہ ایک چکی اور چند سیر جو تھا، حضرت میمونہ کے گھر میں پانی ایک مشکیزہ میں ہوتا تھا، آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کے ایک ٹوٹے ہوئے پیالہ میں تمام قسم کے مشروبات نوش فرماتے تھے، حضرت حفصہ کے گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام فرمانے کے لیے ٹاٹ کا ایک ٹکڑا تھا جسے دوتہہ کرکے بچھا دیا جاتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حجروں کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی، دیواریں مٹی کی تھیں، تمام چھتیں کھجور کی شاخوں اور پتوں سے چھاپی تھیں، بارش سے بچنے کے لیے کمبل لپیٹ دئے جاتے، کاشانۂ نبوت گوانوارالٰہی کا مرکز تھا، لیکن اس میں رات کو چراغ نہ ہوتا تھا، گھر کی ظاہری زیب وزینت آپ کو پسند نہ تھی، ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے دھاری دار رنگین کپڑے لٹکا دیئے تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ہمیں مال اینٹ اور پتھروں کو لباس پہنانے کے لیے نہیں دیا گیا۔

سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات:

محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات سراپا قرآن مجید تھے، آپ نہایت محبت اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات فرماتے، سلام کرنے میں سبقت لیجاتے، مصافحہ اور معانقہ کرتے، وقار اور متانت کے ساتھ گفتگو فرماتے، کسی کی دل شکنی نہ فرماتے، غریبوں، بیواؤں اور ضعیفوں کے گھر جا کر ان کا پانی بھرتے، ضروریات زندگی کی چیزیں بازار سے لاکر دیتے، مہمانوں کی خاطر مدارات خود فرماتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ تمام چیز مہمانوں کی نذر ہوجاتی اور تمام اہل وعیال فاقہ کرتے، ہمیشہ سادہ اور ایک ہی غذا پر گزارہ کرتے کسی مجلس میں تشریف رکھتے تو اپنے سامنے جو کھانا ہوتا اسی پر اکتفاء فرماتے، سب کے ساتھ مل جل کر زمین پر اس طرح بیٹھتے کہ کسی قسم کا امتیاز نہ دکھائی دیتا، آپ کا مقدس چہرۂ انور ہی پہچان کی علامت تھا، عام انسانوں کے ساتھ یکساں اور مساوات کا سلوک کرتے امیر غریب، چھوٹے بڑے، کالے گورے کی کوئی تمیز اور فرق نہ رکھتے، زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے، انسانوں کی عزت وتوقیر صرف تقوی اور پرہیزگاری کی بنیاد پر کرتے، بیماروں کی عیادت کرتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے جانثار صحابہ کرام ہمہ وقت حکم کے منتظر اور مستعد رہتے، آپ کے ادنی اشارہ پر جانثاری کو دنیا وآخرت میں سرخ روئی اور نجات کا باعث سمجھتے، بایں ہمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام کام اپنے ہاتھ سے خود کرتے تاکہ امت کا کوئی فرد محنت ومزدوری اور اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو معیوب خیال نہ کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے آپ کے معمولات کی بابت دریافت کیا، حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے اور کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے، گھر میں خود جھاڑو دیتے، دودھ دوہ لیتے، بازار سے سودا سلف خرید لاتے تھے، جوتا ٹوٹ جاتا تو خود ہی اس کی مرمت کرلیتے تھے، ڈول میں ٹانکے خود لگاتے، اونٹ اور سواری کے جانور خود باندھتے، چارہ دیتے اور غلام کے ساتھ مل کر آٹا خود گوندھتے تھے، ہاتھ سے کبھی اپنے غلام، باندی، کسی عورت، کسی جانور کو نہیں مارا، آپ نے کسی سائل کی درخواست کبھی رد نہیں فرمائی، انسان تو اشرف المخلوقات ہے، آپ جانوروں پر رحم فرماتے اور اس بے زبان مخلوق پر ظلم روا رکھے جاتے تھے آپ منع فرمادیتے، جانورں کے گلے میں قلادہ ڈالنے کا رواج ختم کرادیا، زندہ جانور کے بدن سے گوشت کاٹنے، جانوروں کی دم اور بال کاٹنے، پرندوں کے انڈے اور ان کے گھونسلوں سے بچے اٹھانیکو منع فرمایا، جانوروں کے بھوکے پیاسے رکھنے والے مالکوں کو سخت تنبیہ فرمائی کہ خدا سے ڈرو، حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم طہارت پاکیزگی اور خوشبو کو پسند فرماتے، اجلا اور پاکیزہ لباس پہننے اور دوسروں کو پہننے کا حکم دیتے، اجتماع عام خصوصاً جمعہ کی نماز کے لیے صاف ستھرا لباس پہننے خوشبو اور سرمہ لگانیکا حکم دیتے تاکہ پسینے کی بو سے دوسرے مسلمانوں کو معمولی تکلیف نہ پہنچے، شرم وحیا کی تلقین فرماتے دوسروں کے سامنے ننگا نہانے، بے پردہ ہونے، کھڑے ہوکر

پیشاب کرنے، زنا شراب سود فسق وفجور کی سختی سے ممانعت فرماتے۔

آفتاب نبوت کا عدل وانصاف:

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے بے شمار قبائل سے واسطہ پڑتا تھا وہ قبائل اور خاندان ایک دوسرے کے سخت دشمن ہوتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کے ساتھ ہمیشہ عدل وانصاف سے کام لیا اور اسلام کی دعوت دینے یا عدل وانصاف کا معاملہ کرتے وقت کسی خاص قبیلے یا کسی خاص فرد کی طرفداری نہیں فرمائی حتی کہ مسلم وغیر مسلم کا فرق وامتیاز بھی روا نہیں رکھا بلکہ سب کے ساتھ مساوات کا سلوک کیا، چنانچہ ایک مرتبہ مخزوم قبیلے کی ایک عورت نے چوری کی، چند لوگوں نے اس کو سزا سے بچانے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت ہی پیارے حضرت اسامہ بن زید سے فرمائش کر کے معافی کی درخواست پیش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفارش پر ناراض ہو کر فرمایا، بنی اسرائیل اسی سبب سے تباہ ہو گئے کہ غریبوں پر حد جاری کرتے اور امیروں سے درگزر کرتے تھے، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی موقع پر فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میری لخت جگر فاطمہ بھی چوری کا ارتکاب کرے گی تو اس کے بھی ہاتھ کٹوا دئے جائیں گے۔ اللہ اکبر

سرور کائنات ﷺ کی اقتصادی ومعاشی اصلاحات:

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں انسانوں کو غلامی کی ذلت اور کالے گورے کے فرق وامتیاز سے نجات دلا کر شرف انسانیت سے سرفراز کیا، وہیں انسانوں میں اقتصادی ومعاشی مساوات قائم کرنے کے سلسلے میں جو اصلاحات نافذ کیں اور جو اسوۂ حسنہ پیش کیا وہ تاریخ انسانیت کا باعث صد افتخار سرمایہ ہے: "ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ایماندار نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا ہمسایہ فاقے اور بھوک سے نڈھال ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کر دو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مردہ اور بنجر زمین کو زندہ کر کے قابل کاشت بنالیا اور بیکار زمین پر دیوار کھڑی کر کے قبضہ کر لیا وہ اس کی ہوگئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین اس کی ہے جو اس پر کاشت کرتا ہے اور جو شخص کاشت کے بغیر تین سال تک بیکار چھوڑ دے اس کا حق ملکیت خود بخود ختم ہو جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی گھاس اور آگ میں تمام انسان برابر کے شریک ہیں اور جو چیزیں قدرتی پیداوار (درخت، معدنیات، گیس، تیل وغیرہ) وہ سب انسانوں کی مشترکہ میراث ہیں، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے چالیس روز تک سامان غذا کو (گرانفروشی کے لیے) ذخیرہ کیا اللہ کی ذات سے اس کا کوئی واسطہ نہیں اور نہ اللہ کو اس کی پرواہ ہے، آپ نے فرمایا جس شخص نے کھوٹ ملا کر دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریری تبلیغ اسلام:

حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانی دعوت اسلام کے ساتھ تحریری طور پر دنیا کے مختلف بااثر لوگوں، بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام خطوط ارسال کر کے تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیا، ایسے والا ناموں کی تعداد دو سو پچاس سے زائد بیان کی گئی ہے، ان میں سے بعض مشہور افراد کے نام مع حالات درج ذیل ہیں:

نام مملکت	حکمراں کا نام	قاصد نبوی کا اسم گرامی
حبشہ	شاہ نجاشی اصحمہ	حضرت جعفر طیار/حضرت عمرو بن امیہ ضمیری
مصر	شاہ مصر مقوقس	حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ
ایران	شاہ کسری خسرو پرویز	حضرت عبداللہ بن حذافہؓ
روم	قیصر روم ہرقل	حضرت دحیہ کلبی
یمامہ	ہوزہ بن علی	حضرت سلیط بن عمرو
بحرین	منذر بن ساوی	حضرت علاء بن الحضرمی
عمان	جیفر بن جلندی بن عامر	حضرت عمرو بن العاص
دمشق	حارث بن شمر غسانی	حضرت شجاع بن وہب اسری

دیگر:

علاوہ ازیں پاپائے روم، شاہان حمیر اور خیبر کے یہودی سرداروں کے نام بھی والا نامہ ارسال کر کے دعوت اسلام دی گئی، ان مکتوبات گرامی کی بنا پر دنیا کا سب سے پہلا بادشاہ جس نے دعوت اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کیا وہ شاہ حبشہ حضرت اصحمہ ہیں اور دنیا کا وہ بادشاہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی پھاڑ دیا وہ بادشاہ ایران خسرو پرویز تھا جس کی گستاخانہ حرکت پر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''ہلک کسریٰ'' کسریٰ ہلاک ہوگیا، قاتلوں نے اس کے جسم کے ٹکڑے کر کے جہنم رسید کیا اور اس کی سلطنت بھی پارہ پارہ ہوگئی۔

غزوات تاریخی جنگیں:

تاریخ اسلام میں وہ لڑائیاں جن میں آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شرکت کر کے جہاد فرمایا غزوات کہلاتی ہیں اور جس جہاد و معرکہ آرائی کے لیے صحابہ کو سپہ سالار مقرر فرمایا وہ سرایا کہلاتی ہیں۔

مشہور غزوات

نام غزوہ	تعداد	تاریخ غزوہ	مدمقابل
بدرالکبریٰ	۳۱۳	۱۷ر رمضان ۲ھ	کفار قریش ایکہزار

اس جنگ میں ستر کفار مارے گئے اور ستر قیدی ہوئے، مسلمانوں میں قریش کے چھ اور انصار کے ۸ر شہید ہوئے۔

نام غزوہ	تعداد	تاریخ غزوہ	مدمقابل
احد	۷۰۰	۱۶ر شوال ۳ھ	کفار عرب
حمراء الاسد	۵۴۰	۱۷ر شوال ۳ھ	احد کے دوسرے دن تعاقب دشمن
بنونضیر	//	ربیع الاول ۴ھ	یہودی قبیلہ کا تعاقب
بدر اخری	۱۵۱۰	ذیقعدہ ۴ھ	انسداد قبیلہ قریش
خندق (احزاب)	۳۰۰۰	شوال ذیقعدہ ۵ھ	سرداران وقبائل یہود وقریش مکہ
بنی محیان	۲۰۰ سوار	ربیع الاول ۶ھ	اہل رجیع قاتلین مبلغین اسلام
حدیبیہ	۱۴۰۰	ذیقعدہ ۶ھ	قریش مکہ مانعین عمرہ
خیبر	۱۴۰۰	محرم ۷ھ	یہودی قبائل
فتح مکہ	۱۰۰۰۰	رمضان ۸ھ	قریش
حنین	۱۲۰۰۰	شوال ۸ھ	مختلف قبائل
طائف	۱۲۰۰۰	//	//
تبوک	۳۰۰۰۰	رجب ۹ھ	افواج ہرقل قیصر روم کا انسداد

سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا عالمی منشور:

سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں جب اپنی حیات طیبہ کے آخری حج کا ارادہ فرمایا تو اطراف و مسلم علاقوں میں اطلاع بھیج دی گئی، چنانچہ مسلمانوں کی بڑی تعداد مدینہ منورہ میں جمع ہوگئی جس میں ہر طبقے اور ہر علاقے کے مسلمان شامل تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ ذوالحلیفہ میں احرام باندھا اور لبیک لبیک کی صداؤں کے ساتھ آپ مکہ مکرمہ پہنچے، ۹ر ذی الحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد وادی نمرہ میں اور پھر میدان عرفات میں ایک لاکھ ۲۴ر ہزار صحابہ کے ساتھ تشریف لائے، پھر یہ پورا میدان تکبیر وتہلیل کی ایمان افروز صداؤں سے گونج اٹھا، نبی رحمت محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل رحمت کے قریب قصوا نامی اونٹنی پر سوار ہوکر کائنات انسانی کے لیے ایک ایسا بین الانسانی منشور پیش فرمایا جو بنی آدم کی فلاح و بہبود اور امن وسلامتی کے ابدی پیغام اور طریق کار پر مشتمل ہے، سیدالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آخری خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت کی حمد وثنا کے بعد فرمایا لوگو! میں تم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نصیحت کرتا ہوں اور ترغیب دلاتا ہوں، میری باتیں پوری توجہ اور غور کے ساتھ سنو! کیونکہ میں نہیں دیکھتا کہ اس سال کے بعد اس مقام پر اس مہینہ اور اس شہر میں پھر تم سے ملاقات ہوسکے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزت وآبرو کو ایک دوسرے پر آج کے دن اس شہر اور مہینہ کی حرمت کی طرح حرام کردیا ہے۔

لوگو! تمہارا خدا ایک، تمہارا باپ ایک، تم سب اولاد آدم ہو اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر اور گورے کو کالے پر کوئی امتیاز حاصل ہے، یعنی وطنیت

اور رنگ و نسل کے سب امتیازات ختم ہیں، اللہ تعالی کے نزدیک تم میں سے معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور اخوت اسلامی کے رشتے میں منسلک ہے تمہارے یہ غلام، تم اپنے ان خادموں کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، لوگو! دور جاہلیت کی ہر بات میں اپنے قدموں کے نیچے روندتا ہوں، اس زمانے کے تمام خون باطل کردئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون (ابن ربیعہ بن الحارث کا جو بنی سعد میں ابھی شیر خوار تھا اور ہذیل نے جسے قتل کردیا تھا) معاف کرتا ہوں اور زمانہ جاہلیت کے تمام سودی لین دین باطل کرتا ہوں، سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود (عباس بن عبدالمطلب کا) باطل قرار دیتا ہوں۔

لوگو! اپنی عورتوں کے متعلق ڈرتے رہو، خدا کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لیے حلال بنایا ہے، تمہاری عورتوں کو تمہارے مقابلہ میں کچھ حقوق اور ذمہ داریاں سپرد ہیں، تمہارا حق عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہاری خواب گاہوں اور بستروں پر کسی غیر مرد کو ہرگز نہ آنے دیں اور گھروں میں تمہاری اجازت کے بغیر کسی شخص کو داخل نہ ہونے دیں اور وہ کسی بے حیائی کا ارتکاب نہ کریں اور تمہارے ذمہ عورتوں کا حق یہ ہے کہ ان کی خوراک اور پوشاک کا انتظام کرو۔

اے لوگو! تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں کسی شخص کے لیے اپنے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کا مال لینا جائز نہیں، میرے بعد کہیں اس اخوت اسلامی کو ترک کرکے کافرانہ ڈھنگ اور طرز زندگی اختیار نہ کرلینا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے پھرو، اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی یا پیغمبر آنے والا نہیں اور نہ ہی تمہارے بعد کوئی اور امت پیدا کی جائے گی، پس غور سے سن لو! تم اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو، پانچوں وقت نماز ادا کرتے رہو، اپنے حکام اور امراء کی اطاعت پر کاربند رہو تاکہ اپنے رب کی جنت میں داخل ہوسکو۔

لوگو! میں تمہارے لیے ایک ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم اس پر کاربند رہو گے کبھی گمراہ نہیں ہوگے، وہ ہے اللہ کی کتاب (قرآن مجید)۔

اے لوگو! تم کو عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور تم سے تمہارے اعمال کی بابت باز پرس کی جائے گی اور تم سے میری بابت دریافت کیا جائے گا تو بتاؤ تم وہاں کیا جواب دوگے؟ اس پر تمام حاضرین نے بآواز بلند عرض کیا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے پیغام حق پہنچادیا اور امت کو نصیحت کرنے کا حق ادا کردیا، حقیقت سے پردے اٹھادیئے اور امانت الٰہی کو صحیح طریقہ سے ہمارے سپرد کردیا۔

حاضرین کے اس جواب پر حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا، اے خدا سن لے گواہ رہنا کہ تیرے بندے کیا گواہی دے رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ سب باتیں ان لوگوں تک پہنچادیں جو اس وقت یہاں حاضر نہیں ہیں؛ ممکن ہے بعض سامعین کے مقابلہ میں بعض غیر حاضر لوگ ان باتوں کو اچھی طرح یاد رکھیں اور ان پر عمل پیرا ہوکر خوب حفاظت کا فریضہ انجام دیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو اسی مقام پر قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً"۔

اس کے بعد سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم مناسک حج ادا کرکے بیت اللہ میں تشریف لائے، طواف وداع سے فارغ ہوکر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے ساتھ مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے اور صرف ۸۱/روز بعد رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اس دار فانی سے عالم جاودانی تشریف لے گئے۔

یاخیر من دفنت بالقاع اعظمه
فطاب من طیبهن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر انت ساکنه
فيه العفاف وفيه الجود والکرم

قرآن کریم کا اعجاز

اوراس کے فنی محاسن

مولانا مفتی رحمت اللہ ندوی نیپالی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

فنی محاسن:

قرآن کا فنی پہلو مستقل ایک عنصر ہے اور قرآن کریم کے اعجاز اور اس کے دائمی وابدی اسلوب وانداز کی انفرادیت ویکتائی ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، فنی حسن وجمال کے عنصر میں جو دینی وعلمی غایات ومقاصد پائے جاتے ہیں اس پر علامہ رشید رضا مصریؒ نے تفصیلی روشنی ڈالی ہے:

زبان وادب اور دین میں طریقۂ تصویرکشی، اظہار مافی الضمیر کا نہایت اعلی وارفع طریقہ ہے، قرآن کے اسلوب بیان میں تصویرکشی ایک بہترین ذریعہ افہام ہے، یہ کسی ذہنی خیال، نفسیاتی کیفیت، محسوس واقعہ اور آنکھوں کے سامنے منظر، نیز انسانی نمونے اور بشری طبیعت کی خیالی صورت میں بہترین عکاسی کرتی ہے، پھر یہ تصویرکشی پردۂ ذہن پر مرتسم خیالی صورت کو مزید ترقی دے کر ٹھوس اور مجسم زندگی عطا کرتی ہے، یا نئی حرکت بخشتی ہے، تب یہ ذہنی خیال ایک ہیئت یا حرکت کی شکل اور نفسیاتی حالت ایک وسیع پردے یا منظر کی حیثیت اور کالبد انسانی ایک زندۂ جاوید ہستی اور طبیعت انسانی ایک مرئی جسم کی صورت اختیار کرلیتی ہے، مختلف حادثات واقعات اور مختلف کیفیات ومناظر مشخص صورت میں آنکھوں کے سامنے آتے چلے جاتے ہیں، ان میں زندگی بھی ہوتی ہے اور حرکت بھی، جب گردوپیش کے ماحول میں انہیں دیکھا جائے تو عالم تخیل کے جملہ پہلو ان میں موجود نظر آتے ہیں، جونہی ایک حالت کے بعد دوسری حالت طاری ہوتی ہے، سامعین کلام ناظرین کی حیثیت اختیار کرلیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ حادثات کے اس پہلے اسٹیج پر جا پہنچتے ہیں جہاں وہ واقع ہوچکے ہوتے ہیں یا واقع ہونے والے ہوتے ہیں۔

اجسام تھرکتے اور منظر کے بعد منظر آنکھوں کے سامنے آتے چلے جاتے ہیں اور سامع یہ تک بھول جاتا ہے کہ وہ کوئی کلام پڑھ رہا ہے، یا تمثیل بیان کررہا ہے۔

علامہ قطب شہید کی ''التصویر الفنی فی القرآن'' بیسویں صدی میں قرآنی موضوع پر تالیف شدہ کتابوں میں اپنے موضوع پر اہم مقام رکھتی ہے، کتاب اعجاز کے موضوع کے ساتھ مختص نہیں ہے لیکن اس کے مطالعہ سے اعجاز قرآنی پر ایمان گہرا اور یقین پختہ ہوجاتا ہے، بلاشبہ سید قطب شہید نے اپنی کتاب لکھ کر بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، بقول ڈاکٹر صبحی صالح کے: ''یہ کتاب استنباط صحیح اور پختگی، فکر ونظر میں یکتا ومنفرد حیثیت رکھتی ہے، سید قطب شہید نے اس کتاب میں قرآن کے فنی محاسن کو بڑے ہی جاذب ودلکش طرز وانداز میں بیان کیا ہے''۔ (علوم القرآن صفحہ۴۵۲)

سید قطب شہید قرآن کریم کے درس ومطالعہ میں ایک دوسری راہ پر گامزن ہوئے، چنانچہ نہ تنہا قرآن الفاظ کی موسیقی ان کے لئے جاذب توجہ ثابت ہوئی اور نہ اس کی ترکیبات کی سحرکاری ان کو اپنے اندر منہمک کرسکی، بخلاف ازیں ان کی فکر ونظر کا مرکز ومحور وہ قرآنی الفاظ تھے جن کو تعبیر وبیان اور اظہار مطالب کے لیے پسند کیا گیا ہے، مزید برآں سید قطب شہید کا شاعرانہ بلکہ ساحرانہ بیان سونے پر سہاگے کا کام دیتا ہے اور وہ بڑی کامیابی سے اسلوب قرآن کے حسن

وجمال پر روشنی ڈالتے جاتے ہیں، سید قطب شہید خود فرماتے ہیں:

تصویر کشی سے مراد وہ الفاظ ہیں جن کو اسلوب قرآن میں دوسرے الفاظ پر ترجیح دی گئی ہو، یہ الفاظ کچھ اس انداز سے ترتیب دیئے گئے ہوں کہ ایک ذہنی وخیالی چیز کو محسوس ومبصر شکل میں پیش کردیں، اس تصویر میں اس انداز سے رنگ بھرا جائے کہ اس میں حرکت وزندگی کے آثار نمایاں ہو جائیں، ایک ذہنی چیز ہیئت وحرکت اختیار کرلے، نفسانی حالت، مشاہدہ بن جائے اور ایک انسانی تصویر زندہ ہو کر انسانی شکل میں سامنے آجائے، امور طبیعہ مجسم ومرئی بن جائیں، حوادث ومشاہدہ اور قصص ومناظر، حیات وحرکت سے بہرہ ور ہو کر زندہ صورت میں سامنے آجائیں اور بولنے لگیں''۔(علوم القرآن صفحہ ۴۵۵)

سید قطبؒ اپنی کتاب کی فصلوں میں اپنے طرز فکر ونظر کی صحت وسلامت پر دلائل کے انبار لگاتے جاتے ہیں، چنانچہ ایک فصل میں تخیل حسی وتجسیم کا ذکر کیا ہے، دوسری میں نظم ونسق فنی اور تیسری فصل کو قرآنی قصص وواقعات کے لیے وقف کردیا ہے، سید قطب نے اس ضمن میں جس قدر داد تحقیق دی ہے، اس کی غرض وغایت یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ قرآن کے اعجاز کو عصر حاضر کی اصطلاح کے مطابق جانچنا پرکھنا چاہتے ہیں، ہمارا موجودہ طبقہ بھی قرآن میں فنی حسن وجمال دیکھنے کا متمنی ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ یہ قدرت قاری میں بھی پیدا ہو اور وہ اپنے شعور ووجدان سے اس ضمن میں استفادہ کرسکے۔

سید قطب ''فنی محاسن'' کا عنوان دے کر گویا اس کے اعجاز کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں جس سے قرآن کی فنی خصوصیات پر روشنی پڑتی ہے۔

مؤلف کا خیال ہے کہ قرآن کی سحر طرازی کے وہ سرچشمے اور سوتے جن کے متعلق ان کے علاوہ دیگر علماء ومؤلفین نے گفتگو کی ہے، مؤلف کے مرکز توجہ ''تصویر فنی'' سے ان کا کچھ تعلق نہیں ہے۔

کتاب کے تمام مندرجات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ مؤلف تشریع، غیبی خبریں اور کائناتی علوم وغیرہ کے پہلو سے اعجاز قرآنی کے منکر نہیں بلکہ مؤید ہیں، لیکن ان کا خیال ہے کہ انوکھے اور اچھوتے انداز میں بات پیش کرنے میں اور ادائیگی میں قوت وطاقت اور نظم ونسق کے ساتھ حسن وجمال کی رعایت رکھنے میں بھی قرآن کا اعجاز قائم وبرقرار ہے۔

قرآن کریم کے فنی محاسن اور تصویر کشی کے اہم گوشے حسب ذیل ہیں، جن کا تذکرہ سید قطب نے ''آفاق التصویر الفنی فی القرآن'' کے تحت کیا ہے:

۱- ذہنی معانی ومفاہیم کو حسی صورت میں ظاہر کرنا جیسے: "إن الذين كذبوا بآياتنا واستكبروا عنها لاتفتح لهم أبواب السماء ولايدخلون الجنة حتى يلج الجمل فى سم الخياط"۔

اس آیت میں خالص ذہنی اور معنوی چیز (کفار کے اعمال کا عنداللہ مقبول نہ ہونے اور جنت میں ان کا داخلہ محال ہونے) کو تصویری اسلوب میں بیان کیا گیا ہے، چنانچہ موٹی رسی کا سوئی کے ناکہ میں جانے کے لیے اونٹ کو موٹی رسی قرار دیا گیا ہے۔

۲- نفسیاتی ومعنوی حالات کی تصویر کشی، مثال "قل أندعو من دون اللّٰه مالا ينفعنا ولايضرنا ونردعلى أعقابنا بعد إذ هدانا اللّٰه كالذى استهوته الشياطين فى الارض حيران، له اصحاب يدعونه إلى الهدى ائتنا، قل إن هدى اللّٰه هوالهدى، وأمرنا لنسلم لرب العالمين"۔

اس آیت میں شیاطین کی گمراہی، دوسری طرف خیرخواہوں کی پکار ''ائتنا'' کی وجہ سے حیران کا منظر کہ یہ نہ سمجھ میں آئے کہ کس طرف جائیں، ایک ابھرتی ہوئی تصویر کے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

۳- مناظر قیامت کا ایک منظر جس میں تصویر کشی کا وافر سامان موجود ہے: "لاتحسبن اللّٰه غافلا عما يعمل الظالمون، إنما يؤخرهم تشخص فيه الابصار، مهطعين، مقنعى رؤوسهم، لايرتد إليهم طرفهم وأفئدتهم هواء"۔

اس آیت میں ایک ہی موقف کے چار مناظر یا چار مسلسل

تصویریں ہیں، جو یکے بعد دیگرے سامنے آتی رہتی ہے اور خیال وتصور میں ان کی ایک ابھرتی ہوئی شکل مکمل ہو جاتی ہے، یہ منفرد تصویر جزع وفزع اور شرمندگی، گھبراہٹ وخود سپردگی کی ہے، جس پر پژمردگی کا ایک ایسا سایہ اور چھاؤں ہے جس میں دم گھٹ رہا ہے اور سانس پھول رہی ہے۔ (مخلص از علوم القرآن للدکتور عدنان محمد صفحہ ۳۳۷/۳۳۸)

حسی وجسمانی تخیل:

حسی اور جسمی تخیل، تصویر فنی کے دو نمایاں ظاہرے ہیں، غیر محسوس کو محسوس سے تشبیہ دینا قرآنی تشبیہات کا ستون ہے، یہاں پر تجسیم سے مراد صرف محسوس سے تشبیہ دینے ہی میں محدود نہیں ہے بلکہ اصل معنویات کو مجسم پیش کرنا ہے، بغیر تشبیہ وتمثیل کے کسی طریقہ پر جیسے سن کر ہدایت نہ پانا اور فائدہ نہ اٹھانا، اس کو ایسی مادی مجسم رکاوٹوں سے تعبیر کرنا جو ہدایت نہ پانے والوں اور ہدایت وسماعت کے درمیان حد فاصل بن رہی ہوں مثلاً: "انا جعلنا علی قلوبهم اكنة أن يفقهوه وفي آذانهم وقراً، يا أفلا يتدبرون القرآن أم على قلوب أقفالها، يا انا جعلنافي أعناقهم أغلالا فهي إلى الاذقان فهم مقمحون و جعلنا من بين أيديهم سداً ومن خلفهم سداً فاغشيناهم فهم لايبصرون "۔

ذرا ان آیات کو دیکھئے کہ ان میں تخیل وتجسیم کو کس طرح سمیٹ دیا گیا ہے کہ ان آیات نے معنوی امور کو جسمی ومحسوس کی شکل میں پیش کر دیا ہے جو متحرک شکل میں نظر آ رہی ہیں۔

تناسق فنی:

''تناسق'' قرآن کے تصویر فنی میں انتہا اور کمال کو پہنچا ہوا ہے اور اس کے آفاق اس عجالہ میں قلمبند ہونے سے بعید تر ہیں۔

قرآن کی ہر آیت وہر جملہ میں بے انتہا ربط وتعلق، ارتباط وہم آہنگی اور نظم ونسق پایا جاتا ہے، مثال کے طور پر سورۂ فاتحہ پڑھ جایئے اور ہر آیت کا تال میل اور آپسی ربط ملاحظہ کرتے جایئے، قرآن کے اعجاز کی داد دیجئے اور سر دھنئے۔ (ملخص از علوم قرآن صفحہ ۳۴۰/۳۴۱)

ہم اس جگہ اس تناسق کے عام خطوط کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱- وہ تناسق جو تعبیرات کے نقش کردہ تصویروں کے مابین دقیق تقابل سے وجود میں آتا ہے، کیونکہ بقول سید قطب تقابل تصویر ولحن کا ایک طریقہ ہے، اس کی مثال آیت کریمہ "أولم يهدلهم كم أهلكنا من قبلهم من القرون يمشون في مساكنهم، إن في ذلك لآيات أفلا يسمعون أولم يروا أنا نسوق الماء إلى الأرض الجرز فنخرج به زرعاً تأكل منه انعامهم وأنفسهم أفلا يبصرون" ہے، جس میں زندوں کو مارنے اور مردوں کو زندہ کرنے کی دونوں صورتیں یا تصویریں پیش کی گئی ہیں، اس میں جھلک ہے زندگی وآبادی کے بعد ہلاک وبرباد شدہ بستیوں سے ان کو موت اور خشک سالی کے بعد شاداب زمین کی طرف منتقل کر دینے کی یہ تقابل آخرت میں نعیم (آرام) اور عذاب کی شکلوں میں عام ہے۔

۲- قرآن کی پیش کردہ صورتوں کے اجزاء وعناصر کے مابین نظم ونسق ہے جسے اتحاد نقش یا صورت کے جزئیات میں عدم تنافر کہا جا سکتا ہے، ان اجزاء کی رقعہ پر متعین مناسبتوں سے تقسیم کہ ایک دوسرے پر مزاحم نہ ہوں اور آپس میں تجاوز نہ کریں، آخر میں رنگ کا نمبر آتا ہے، جس سے نقشہ بنایا جاتا ہے اور سایوں میں تدریج کا مرحلہ آتا ہے، جو فکرہ اور موضوع کے ساتھ ہم آہنگ ہونے والی عام فضا کو قائم کرتا ہے، مثال کے طور پر سورۂ فلق کو لیجئے، جس میں تعویذ واستعاذہ کی فضا ہے جو مخفی ومبہم اور پوشیدہ ہے۔

قرآن کے فنی محاسن کی دو مثالیں اور نمونے مزید قلمبند کئے جاتے ہیں۔

"فمالهم عن التذكرة معرضين كأنهم حمر مستنفرة فرت من قسورة " انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ نصیحت سے روگرداں ہیں، وہ گویا بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے ڈر کر بھاگ رہے ہیں۔

شیر بیشہ سے وحشی گدھے ہی بھاگتے ہیں، ہاں! منظر کو اپنی آنکھوں

سے دیکھ کر نصیحت سے روگردانی کرنے والے بھی گدھے ہی ہو سکتے ہیں، لیکن عجیب اتفاق ہے کہ گدھے تو ڈر کر بدکتے ہیں مگر یہ لوگ ہیں کہ قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی اس سے ڈرتے نہیں ہیں۔

۲- "والصبح إذا تنفس" بقول سیوطی "ظہور صبح کے وقت مشرق سے رفتہ رفتہ روشنی کے نمودار ہونے کے لیے آہستہ آہستہ سانس لینے کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے، اس لیے کہ جس طرح روشنی تدریجی طور پر نمودار ہوتی ہے، اسی طرح سانس بھی رفتہ رفتہ لیا جاتا ہے، اور یہ دونوں چیزیں محسوسات کے قبیل سے ہیں۔

اس آیت میں صبح کو زیور حیات سے آراستہ کر کے ایک ایسا زندہ انسان ٹھہرایا گیا ہے جو نہ صرف سانس لیتا بلکہ جذبات واحساسات سے بھی بہرہ ور ہے۔

خلاصہ کلام:

آخر میں شیخ محمد عبدالعظیم الزرقانی کی مشہور کتاب "مناہل العرفان" کے ایک اقتباس پر یہ مضمون ختم کیا جاتا ہے، وہ خلاصہ کلام کے طور پر لکھتے ہیں: "والخلاصة أن القرآن من آية ناحية أتيته لاترى فيه إلا أنواراً متبلجة وأدلة ساطعة على أنه كلام الله ولا يمكن أن تجدفيه نكتة من كذب ولا وصمة من زور ولا لطخة من جهل وإني لأقضى العجب من هؤلاء الذين أغضموا أعينهم عن هذه الأنوار وطوعت لهم أنفسهم اتهام محمدصلى الله عليه وسلم بالكذب وزعموا أن القرآن من تأليفه هو لا من تأليف ربه مع أن الكاذب لابدأن تكشف عن خبيئته الأيام والمضلل لامناص له من أن يفتضح أمره ويتهتك ستره"۔

ثوب الرياء يشف عما تحته

فاذا التحفت به فإنك عار

خلاصہ کلام یہ کہ آپ قرآن کریم کو جس گوشے اور رنا چیے سے دیکھیں گے اس میں چکا چوند کر دینے والی روشنی اور اس کے کلام الٰہی ہونے پر روشن حجت ہی نظر آئے گی، اور یہ ناممکن ہے کہ آپ کو اس میں جھوٹ کا کوئی نکتہ، کذب کا کوئی شائبہ اور جہل ونادانی کا کوئی نام ونشان ملے، مجھے بڑا تعجب ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اپنی آنکھیں ان انوار سے بند کئے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹی تہمت لگانے پر خوش ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن خود ان کی تالیف ہے، ان کے رب کی تالیف نہیں ہے، حالانکہ جھوٹے کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ایام پول کھولتے ہیں اور گمراہ کرنے والے کو رسوائی وذلت سے کوئی چارہ نہیں اور اس کا بھانڈا پھوٹنے سے اسے چھٹکارہ نہیں، شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ثوب الرياء يشف عما تحته

فإذا التحفت به فإنك عار

ریا کائی کا لباس نیچے سے جھلکتا ہے اگر تم اسے پہن لو تب بھی ننگے رہو گے۔

قرآن کریم سراپا ہدایت ورحمت اور مکمل جیتا جاگتا معجزہ ہے، ضرورت ہے کہ اسے پڑھا جائے، غور وفکر کیا جائے اور سرمۂ چشم بنایا جائے، عقیدت واحترام کے ہاتھوں سے لیا جائے اور محبت وبصیرت سے کام لیا جائے، نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ تصور کیا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ اس کا ایک جملہ، ایک آیت کا ٹکڑا دنیا اور دنیا کی ساری طاقتیں مل کر نہیں لاسکتیں، آخر میں پڑھئے: "كتاب عزيز، لايأتيه الباطل من بين يديه ولامن خلفه، تنزيل من حكيم حميد"۔ والحمدللہ رب العالمین

❁❁❁❁

اقوال زریں

جو علم کو دنیا کے کمانے کے لیے حاصل کرتا ہے، علم اس کے قلب میں جگہ نہیں پاتا۔ (حضرت امام ابوحنیفہؒ)

سب سے زیادہ جاہل وہ ہے جو گناہ سے باخبر ہوتے ہوئے بھی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ (حضرت امام شافعیؒ)

تبرکات اکابر

ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ

ترتیب: مولانا محمد حسین للہی خلیفہ حضرت رائے پوریؒ

تبلیغ ھی کے ذریعہ اسلام پھیل سکتاھے:

حضرت نے فرمایا کہ آج کل تو روئے زمین پر غالبًا کوئی خطہ باقی نہیں رہا جہاں اسلام کی آواز نہ پہنچی ہو، لوگوں کا توجہ نہ کرنا الگ بات ہے ورنہ ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ تمام عالم پر اسلام کا نام پہنچ چکا ہے، دیہات اور بادیہ کے لوگ شہریوں اور تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگوں سے ملاقاتوں کے ذریعہ اسلام کے نام سے واقف ہو سکتے ہیں، جن ملکوں میں اسلام نہیں پہنچا اس کی وجہ تبلیغ کی کمی ہے، یا پھر ہمارے پاس اتنی قوت ہو کہ ہم ان ملکوں کو فتح کر کے اسلام وہاں پہنچائیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب دوسرے ملکوں میں جاتے تھے، ترجمان ان کے ساتھ ہوتے تھے، اور ان کو اسلام کی تعلیم سے واقف کرتے تھے، لیکن ہم کو یہ طاقت تب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ ہمارے پاس اس قسم کا اسلحہ ہو جو آج کی لڑائیوں میں استعمال ہوتا ہے، جن سے دین و دنیا کی ترقی ہو سکے۔

دین کا کام خاموشی سے ھوتاھے:

حضرت نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمانہ کے اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام حکومت سے بالکل الگ تھلگ رہتے تھے اور اہل حکومت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے تھے، علماء اور صوفیا کو اب بھی باہمی مشورہ سے دین کا کام کرنا چاہئے لیکن حکومت سے الگ ہو کر الیکشن وغیرہ میں کبھی دخل نہ دینا چاہئے، جو آدمی الیکشن کے چکر میں پڑا وہ ضائع ہوا، اس سے کوئی کام دین کا نہیں ہو سکتا، کوئی کام دین کا کرنا ہو تو خاموشی سے اور حکومت سے الگ ہو کر کریں۔

حضرت سے پوچھا گیا کہ بعض اوقات ذکر، شدومد سے نہیں ہو پاتا، ذوق میں ویسے ہی جلدی جلدی پڑھ لیا جاتا ہے، فرمایا جس طرح ہو سکے پورا کر لیا جائے، البتہ کچھ کچھ شدومد کا خیال رکھا جائے اور آدمی ذکر کرتا رہے، آخر اللہ تعالیٰ فضل فرما ہی دیتے ہیں۔

اپنے کام میں لگے رھو:

حضرت نے فرمایا ایک بزرگ اللہ اللہ کیا کرتے تھے، ادھر سے الہام ہوتا "تمہارا ذکر مقبول نہیں"، لیکن وہ پھر بھی بدستور کرتے رہتے اور چھوڑا نہیں، ان کے ایک مرید کو بھی ان کے بارے میں ایسا ہی الہام ہوا کہ تمہارے شیخ کا ذکر قبول نہیں ہے، اس مرید نے عرض کیا کہ حضرت جب منظور نہیں ہے تو کیوں محنت کرتے ہو، چھوڑ دیجئے شیخ نے فرمایا قبول کرنا نہ کرنا ان کا کام ہے، جیسا چاہیں کریں، بندہ کا کام تو بندگی کرنا ہے، اس کو اپنا کام کرنا چاہئے، اس فکر میں نہ پڑے کہ قبول کرتے ہیں یا نہیں، ان کے کام میں بندہ کو دخل نہیں دینا چاہئے، الغرض کچھ عرصہ کے بعد الہام ہوا کہ "سب قبول ہے"، تو اصل یہ ہے کہ عبادت میں سرور حاصل ہو یا نہ ہو، کچھ دیکھے یا نہ دیکھے، بہرحال اپنا کام کرتے رہنا چاہئے۔

فرمایا یہاں تک ذکر کرے کہ روح ذاکر ہو جائے، پوچھا گیا روح ذاکر ہونے کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا یہ کہ دھیان ہر وقت اسی کی طرف لگا رہے ہیں، خواہ دنیا کا کام کر رہا ہو، تجارت کرتا ہو، کھیتی باڑی کرتا ہو، مگر خیال ہر وقت اسی طرف رہے، جیسا کہ کسی کو سر میں درد ہو یا پیٹ میں درد ہو تو اگرچہ وہ باتیں بھی کرتا رہتا ہے لیکن خیال درد کی طرف رہتا ہے۔

استقامت سے پختگی پیدا ہوتی ھے:

استقامت کے معنی بیان کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ اس قدر پختگی حاصل ہو جائے کہ جب تک ذکر پورا نہ کر لے سکون نہ ہو، بے چینی اور بے قراری سی رہے اور جب ذکر پورا کر لے تو سکون اور اطمینان حاصل ہو جائے، طبیعت میں فرحت اور سرور محسوس ہو۔

فرمایا جب اس درجہ میں پہنچ جاتا ہے تو اس کا تمام وجود ہی تبلیغ بن جاتا ہے اور اس سے پہلے جو کچھ کرتا ہے وہ مجاہدہ ہوتا ہے۔

فرمایا یہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ نے جو کام اس سے لینا ہوتا ہے اس کی طرف اس کو متوجہ کر دیتے ہیں، تبلیغ، تدریس یا تصنیف جس کام کی طرف اس کی طبیعت کا رجحان ہوتا ہے وہی خدمت اللہ تعالیٰ اس سے لے لیتے ہیں، بعض اوقات الہام کے ذریعہ حکم دیا جاتا ہے، بعض اوقات شیخ حکم دیتا ہے اور کبھی خود بخود طبیعت متوجہ ہو جاتی ہے۔

جو حالت مناسب ہو وھی کرنی چاھئے:

حضرت نے فرمایا اگر قوت ہو تب تو ذکر بالجہر کرنا چاہئے اثر جلدی ہوتا ہے لیکن اگر طبیعت کمزور ہو تو ہرگز زیادہ بلند آواز سے نہ کرے ورنہ طبیعت مختل ہو جائے گی اور دماغ خراب ہو جائے گا۔

فرمایا طبائع مختلف ہوتی ہیں، بعض طبائع کے مناسب سیر اجمالی ہوتا ہے ان کو اجمالی کرایا جاتا ہے، بعض کے لیے تفصیلی ان سے سیر تفصیلی کرایا جاتا ہے، لیکن مرید کو چاہئے کہ ان چیزوں میں نہ پڑے اور خود اپنے لیے کوئی حالت تجویز نہ کرے، سیدھا اللہ اللہ کرتا رہے، اللہ تعالیٰ جس کے لیے جو حالت اختیار فرمائیں وہی اس کے لیے بہتر ہے تم کسی حالت کو طلب نہ کرو۔

توکل اور تسلیم کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، توکل کا معنی ہے ''بھروسہ کرنا''، یعنی ہر کام میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہونا اور یہ سمجھنا کہ جو کچھ ہوگا اسی کے حکم سے ہوگا اور جب یہ توکل کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اس کو تسلیم کہتے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ سب کو قبض پیش آتا ہے پھر بسط ہو جاتا ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہوتا تھا کہ غار حرا میں کبھی کبھی یہ خیال فرماتے تھے کہ اپنے آپ کو پہاڑ پر سے گرا دیں پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آ کر تسلی دیا کرتے تھے اور یہ آیت "مـــا ودعك ربك ومـــا قلی" قبض ہی کے سلسلہ میں نازل ہوئی، اسی طرح صحابہ کرام کو پیش آیا کرتا تھا، چنانچہ "وبلغت القلوب الحناجر" یہ صحابہ کے قبض کے متعلق نازل ہوئی۔

تعلق فرق مراتب سے ہوتاھے:

بعض علماء مدرسین کے اس سوال پر کہ شیخ کی توجہ تمام مریدین کی طرف یکساں ہوتی ہے یا بعض خوش نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن پر شیخ کی توجہات مخصوص ہوتی ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ تم لوگ تو مدرسین ہو خود جانتے ہو کہ استاذ کا تعلق تلامذہ سے یکساں ہوتا ہے کہ نہیں، بعض لڑکے محنتی اور ذہین ہوتے ہیں، بعض استاذ سے زیادہ محبت اور تعلق رکھتے ہیں اور بعض غبی اور محنت نہ کرنے والے اور استاذ سے کوئی انس نہیں رکھتے، تو کیا ان سب کے ساتھ استاذ کا تعلق یکساں ہوتا ہے؟۔

اسی طرح جو مرید شیخ سے زیادہ محبت اور تعلق رکھتا ہے اس سے شیخ کو زیادہ محبت ہوتی اور محبت ہی نام توجہ ہے، عرض کیا گیا کہ پھر تو شیخ کی توجہ مبذول کرانے میں مرید اور طالب کو دخل ہوا۔

محبت کا تعلق صحبت سے ہوتاھے:

حضرت نے فرمایا ہاں مرید ہی کی کوشش سے تو سب کچھ ہوتا ہے، شیخ کی کوشش سے خود کچھ نہیں ہوتا، حضرت سے پوچھا گیا کہ شیخ سے محبت بڑھانے کا کیا طریقہ ہے؟ تو ہنس کر فرمایا! محبت بڑھانے کا بھی کوئی طریقہ ہوتا ہے، البتہ اس کا سبب صحبت ہے جس قدر صحبت زیادہ ہوگی اسی قدر محبت بڑھے گی۔

فرمایا کہ مسلمان اپنی خود غرضیوں میں مبتلا ہو کر کچھ ایسے سوئے سوئے ہیں کہ جاگنے کا نام ہی نہیں لیتے، جس وقت یورپ جاگ رہا تھا، ترک مسلمان گہری نیند سو رہے تھے، چنانچہ یورپ والوں نے ہر

قسم کا سامان جنگ تیار کیا، ایٹم بم، مشین گنیں تیار کیں؛ لیکن مسلمان اب تک خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، جب تک سامان پاس نہ ہو، لڑائی کس طرح لڑی جاسکتی ہے، اب تو اگر مسلمانوں کی ساری سلطنتیں بھی متحد ہو جائیں تو بھی جنگ کے لیے ایک دن کا خرچ دینے کی بھی طاقت نہیں رکھتے، یہ کیسے کسی سے لڑ سکتے ہیں، انگریز جس کے پاس بڑی سلطنت تھی کہ اس کے ملک میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا، یہ بھی جنگ کا خرچ برداشت نہیں کر سکا، چنانچہ جنگ عالم گیر دوم کے دوران اپنے ملک کے بیشتر حصے قرض میں دے دیئے، لڑائیاں لڑنا آسان کام نہیں ہے۔

ہدایت کے لیے قرآن پر عمل ضروری ہے:

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف پر عمل کرنے سے برکت ہوتی ہے، جس قوم پر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے فضل فرمانا چاہتے ہیں اس کے پاس اپنے کسی بندے کو بھیج دیتے ہیں اور اس کو کتاب عطا فرما دیتے ہیں، تاکہ اس پر عمل کریں، اس میں محض نصیحت ہوتی ہے اور دین ودنیا کی کامیابی اور قرب خداوندی حاصل کرنے کے لیے اصول بتائے گئے ہوتے ہیں، اس کا ادب یہی ہوتا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔

اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس قوم کے لیے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی، جس قوم کی خوش بختی اور خوش نصیبی ہوتی ہے وہ اس پر عمل کرتی ہے اور فائز المرام ہوتی ہے اور جس قوم کی بدنصیبی ہوتی وہ محض اس کو تبرک سمجھتی ہے، لوگ اسے چومتے چاٹتے ہیں، غلاف چڑھاتے ہیں اور محض برکت کے لیے گھر میں رکھتے ہیں، لیکن عمل اسکے خلاف کرتے ہیں تو اس سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

اخلاص کی پہچان:

حضرت سے پوچھا گیا کہ عمل کا مدار اخلاص پر ہے؛ لیکن اخلاص کی پہچان کیا ہے؟ فرمایا کہ اتنا باریک چلا جائے تو شاید کوئی بے چارہ عمل بھی نہ کر سکے، جس قدر ہو سکے عمل کرتے رہو، اللہ تعالیٰ فضل فرمائیں گے اور قبول فرمائیں گے اور اخلاص بھی نصیب فرمائیں گے، فرمایا کہ سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور خلفاء اربعہ کے باقی صحابہ میں عمل زیادہ تھا، اخلاص (بہ نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاص کے) اس قدر نہیں تھا جتنا کہ عمل تھا، حضرات شیخین رضی اللہ عنہم کی خلافت کے بعد صحبت کی کمی کی وجہ سے اختلافات اور نزاعات بہت بڑھ گئے، کچھ نئے مسلمان جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب نہیں ہوئی تھی اٹھے اور فسادات برپا کئے حتی کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں بھی جنگ وجدل اور فسادات ہوتے رہے اور بعد میں تو بالکل ملوکیت کی طرز پر سلطنت قائم ہوئی۔

صحبت اور ذکر سے اخلاص پیدا ہوتا ہے:

حضرت سے پوچھا گیا کہ کیا اخلاص مخلصین کی صحبت سے نصیب ہوتا ہے فرمایا ہاں! صحبت اور ذکر سے ہر چیز اور ہر فن میں یہی قاعدہ ہے کہ اس فن کے جاننے والوں کی صحبت سے وہ فن حاصل ہوتا ہے۔

نیز پوچھا گیا کہ کیا "کونوا مع الصادقین" کا بھی یہی مطلب ہے کہ صدق حاصل کرنے کے لیے صادقین کے پاس بیٹھے اور یہ کہ معیت سے صحبت مراد ہے یا نصرت؟ فرمایا "کونوا مع الصادقین" کا بھی یہی مطلب ہے اور معیت کے معنی دونوں طرح صحیح ہو سکتے ہیں، پوچھا گیا کہ اخلاص کے حصول کے لیے صحبت کی کوئی مدت مقرر ہے کہ اس کے بعد اخلاص حاصل ہو جاتا ہے، فرمایا نہیں ہرگز نہیں، ہر شخص کی استعداد مختلف ہوتی ہے، کسی کو تھوڑی مدت کی صحبت سے حاصل ہو جاتا ہے، کسی کو زیادہ مدت کی صحبت سے''۔

عرض کیا گیا کہ اس کا فیصلہ تو شیخ ہی کر سکتا ہوگا کہ اب فلاں مرید کو اخلاص نصیب ہو گیا یا مرید خود بھی معلوم کر سکتا ہے؟ فرمایا شیخ ہی بتا سکتا ہے مرید خود تو بسا اوقات غلطی کر جاتا ہے۔

غور وفکر

حج وعمرہ، ویزوں کی خرید وفروخت

مفتی محمد جعفر ملی رحمانی

جناب نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"العمرة الی العمرة کفارة ما بینهما والحج المبرور لیس له جزاء الاالجنة" کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ کے مابین گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں۔(السنن لابن ماجہ،ابواب المناسک صفحہ ۲۰۷)

حج عبادت مالی وبدنی ہے، حج اللہ کی راہ میں جہاد ہے، اللہ تعالی نے حج کو مشروع فرما کر اپنے محتاج بندوں پر انتہائی فضل وکرم فرمایا، کیوں کہ حج کے ذریعہ بندوں کو اپنے خالق ومالک کا قرب ونزدیکی، اپنے گناہوں سے طہارت وپاکی نصیب ہوتی ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"ان الاسلام یهدم ماکان قبله وأن الهجرة تهدم ماکان قبلها وأن الحج یهدم ماکان قبله" کہ اسلام ماقبل یعنی جاہلیت کے تمام گناہوں کو مٹادیتا ہے اور ہجرت بھی اس سے پہلے کے تمام گناہوں کو مٹادیتی ہے۔ (کنزالعمال، کتاب الایمان والاسلام:۱/ ۶۷)

اور ایسے ہی حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"من حج فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه" جس شخص نے پورے آداب کی ساتھ حج کیا، دوران حج اپنے آپ کو رفث وفسق سے بچائے رکھا، وہ ایسے لوٹتا ہے جیسے آج ہی اس کی ولادت ہوئی، یعنی اس کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔(الصحیح البخاری:۱/ ۲۰۶)

حج کو جانے والے لوگ جاتے ہوئے اور لوٹتے ہوئے خدائی ضمانت اور سیکورٹی (Securitay) میں ہوتے ہیں، آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"الحاج فی ضمان اللہ مقبلا ومدبرا"۔(کنزالعمال:۵/ ۸)

حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہوتے ہیں اللہ تعالی نے خود انہیں اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی، اس لئے اس کے دربار میں حاضر ہوئے، اب وہ جو کچھ مانگیں گے اللہ ان کو عطا کرے گا، آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"الغازی فی سبیل اللّٰه، والحاج والمعتمر وفد اللّٰه دعاهم فاجابوه وسالوه فاعطاهم"۔(السنن لابن ماجہ ابوب المناسک:صفحہ ۲۰۸)

اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کرے اور اسی سال اسکا انتقال ہوجائے تو وہ سیدھا جنت میں داخل ہوگا، آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں"من حج اواعتمر فمات من سنته دخل الجنة"۔(کنزالعمال:۵/ ۱۵)

حاجی ادائیگی حج میں جو کچھ خرچ کرتا ہے اللہ اس کے بدلے اسے سات سوگنا عطا فرماتے ہیں:"الحج فی سبیل اللّٰه تضعف فیه النفقة بسبعمائة ضعف"۔(کنزالعمال: کتاب الحج، ۵/ ۴)

لیکن آج کل اس عظیم اور مبارک عبادت کی ادائیگی میں کچھ تو حکومتوں نے اور کچھ اپنے ہی لوگوں نے اس قدر مصیبتیں اور دشواریاں لاکھڑی کردیں کہ'' الامان والحفیظ'' مثلا: ٹور والوں کا حج ویزوں کو فروخت کرنا، افسروں کا حج کے امیدواروں سے ان کے نام قرعہ اندازی میں نکلوانے کیلئے مختلف طریقوں سے رقمیں اینٹھنا، ویزا افسروں کا ویزا اسٹامپنگ (Stamping) کے لئے دلالوں اور ایجنٹوں (Ejant,s) سے رقمیں وصول کرنا، اور دلالوں کا حج امیدواروں وغیرہ سے، گویا حج جیسی عظیم عبادت کو ان لوگوں نے بزنس (Business) اور تجارت

بنالیا، جبکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جولوگ اس عبادت کی ادائیگی کے خواہاں ہیں ، ہرطرح سے ان کی مدد کی جاتی، نیکی کے کاموں میں تعاون کرکےاپنے آپ کوثواب کامستحق ٹھراتے۔

آج کل کئی جگہوں سے یہ سوال کیا جارہاہے کہ کیا ٹوروالوں کے لئے حج ویزافروخت کرناجائزہے؟

اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ شریعت اسلامیہ نےخریدوفروخت کی اسی صورت کوحلال فرمایا جس میں عوضین (یعنی جو چیز بیچی جارہی ہے، اور جواس کی قیمت بن رہی ہے) مال کےقبیل سے ہوجیسا کہ بیع کی تعریف:" هو مبادلة المال بالمال بالتراضی" باہمی رضامندی کے ساتھ مال کا تبادلہ مال سے کرنا۔ (تبیین الحقائق، کتاب البیوع:۴/۲۷۵) سےمفہوم ہورہاہے،شریعت کی نگاہ میں مال وہ ہے جس کی ذخیرہ اندوزی ممکن ہو،جیسا کہ علامہ شامیؒ نے مال کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:"المال ما یمیل الیه الطبع ویمکن ادخاره لوقت الحاجة "۔(ردالمختارعلی الدرالمختارکتاب البیوع:۷/۷)

اب اگرکسی کو یہ اشکال ہوکہ عقداجارہ (مزدوری کا معاملہ) میں ایک جانب منافع اور دوسری جانب مال ہوتاہےتو یہاں پر بیع کی تعریف صادق نہیں آرہی ہے،اس لئے عقداجارہ بھی جائزنہیں ہونا چاہئے؟ اس اشکال کا جواب یہ دیا جائیگا کہ عقداجارہ کوخلاف قیاس جائزقرار دیا گیا ہے، کیوں کہ اگرعقداجارہ جائز نہ ہوتا تو لوگوں کی حاجتیں اورضرورتیں پوری نہ ہوتیں۔

جیسا کہ اس قاعدہ فقہیہ سےمفہوم ہوتاہے: "حاجة الناس اصل فی شروع العقود شرع عقد البیع لحاجة الناس الی تبادل الاملاك، وشرع عقد الاجارة لحاجة الناس الی تبادل المنفعة"۔(موسوعۃ قواعدالفقہ:۴/۶۶)

لوگوں کی ضرورتیں ہی مشروعیت عقود کی بنیاد ہے،عقدبیع اس لئے شروع ہوا کہ لوگوں کو تبادل املاک کی ضرورت تھی اور عقداجارہ اس لئےشروع ہوا کہ لوگ کی تبادلہ منفعت کی ضرورت تھی۔

حج ویزا کی خریدوفروخت نہ تو عقدبیع میں داخل ہےاورنہ عقداجارہ میں داخل ہے،عقد بیع میں اس لئےنہیں کہ ویزا مال نہیں ہے جسکی خریدوفروخت کی جاسکےاورعقداجارہ میں اس لئے داخل نہیں کہ عقد اجارہ کہتے ہیں ایسےعقد کوجس میں آدمی اعیان کے منافع کا مالک ہوتاہے، "الاجارة عقد الاجارة علي منافع الاعیان" ۔(درالحکام: ۱/۴۵۲) جبکہ ویزاعین شئ ہےہی نہیں کہ جس کو باقی رکھ کراس کےمنافع حاصل کئے جاسکیں، حج ویزاسعودی حکومت کی طرف سےحکومتوں اور ٹورز (Tours) والوں کو مفت حاصل ہوتے ہیں ، اس پرسعودی حکومت ان سےکسی قسم کی کوئی رقم نہیں لیتی ،اور نہ یہ کوئی مال ہے کہ حکومتوں اورٹوروالوں کوان کا مالک بنایا گیاہو،اوروہ اپنےحق ملک کی وجہ سےاس کوفروخت کررہے ہوں ، بلکہ حج ویزا خالصۃ ایک اجازت نامہ ہے،جسکی بنیاد پرآدمی سعودی حکومت کی حدود میں ایک مخصوص وقت تک داخل ہوسکتاہےاورقیام کرسکتاہے۔

اب بعض لوگوں نےٹوراینڈٹراویلس کمپنیاں قائم کی ،اوراس نام سےسعودی حکومت سے حج ویزا حاصل کرکےاس کی خریدوفروخت کا سلسلہ جاری کردیا ،اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کی یہ ایک اچھا،منافع بخش، اورحلال کاروبار ہے، جبکہ یہ ایک حرام اورناجائز کاروبار ہے،اوراس سےحاصل ہونے والی آمدنی کا حکم وہی ہے جو مال حرام کا ہے،بعض ٹوروالے یہ کہتے ہیں کہ ہم ویزا فروخت نہیں کرتے بلکہ جو رقم ہم حاجیوں اورعمرہ کرنے والوں سے لیتے ہیں وہ ان کے دورانِ سفرمکہ ومدینہ کےطعام وقیام وغیرہ کی فیس ہے......بھلایہ توبتائیں کہ آپ جو حاجیوں کوکھانا کھلارہے ہیں اورجس جگہ قیام کروارہے ہیں کیاواقعی وہ اس قدرمہنگاہے؟

اگرنہیں ہےتو کیا یہ غریب مسلمانوں کا استحصال نہیں ہے، جومحض مجبوری میں آپ کواتنی بڑی بڑی رقمیں دےرہے ہیں،اورآپ اس کو صرف حلال ہی نہیں بلکہ مبارک ومسعود خیال کررہے ہیں،جبکہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کاارشادہے:"لایحل مال امرء مسلم الا

بطیب نفس منه "۔(جمع الجوامع:۹/۷،رقم الحدیث:۲۶۷۶)

کسی مسلمان شخص کا مال دوسرے کے لئے اسکی رضامندی اور خوشنودی کے بغیر حلال نہیں۔

ان ٹوروالوں کوایک بات یہ یادرکھنا چاہیئے کہ جب مال حرام مال حلال سے ملتا ہے،تو وہ اسے ہلاک وبرباد کر کے رکھ دیتا ہے۔

تعجب تو اس پر ہے کہ اتنی خطیر رقمیں وصول کرنے کے بعد پھر یہ اشتہار دیئے جاتے ہیں''حاجیوں کی خدمات ہمارا نصب العین'' ہے، ٹور سے جایئے اور اطمینان وسکون سے حرمین میں عبادت کیجئے۔

بھلا بتلایئے یہ کیسی خدمت ہے کہ خدمت کے بعد مخدوم بجائے راحت محسوس کرنے کہ تکلیف محسوس کرے،جب آپ نے اس کو پوری طرح سے نچوڑلیا تو وہ حرمین میں اطمینان وسکون سے کیسے عبادت کرے گا۔

ہاں!سکون واطمینان اس اعتبار سے ہوسکتا ہے کہ اب اپنے جیب میں پیسہ ہی نہیں تو بازار وغیرہ کیا جائیں۔

لیکن کسی کو اس کی عبادت میں اس طرح سکون واطمینان مہیا کرانا شریعت اسلامیہ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصرالبراک فرماتے ہیں:جوشخص حج کا ارادہ نہیں رکھتا اس کے لئے ویزا حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر کسی ایسے شخص نے ویزا حاصل کیا جس کا حج کرنے کا ارادہ تھا مگر اب کسی وجہ سے اس کا ارادہ نہیں ہے،تو اس کے لئے اس ویزا کو اس سے زائد قیمت میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے،جو اس نے اس کے لئے حاصل کرنے میں خرچ کی،یعنی حج کے ویزا کو ایسی تجارت نہ بنایا جائے جس میں ضعیف اور حج کے حریص مسلمانوں سے ناحق فائدہ اٹھایا جائے،بلکہ ایک مسلمان کے شایان شان تو یہ ہے کہ وہ کارخیر میں معاون اور مددگار رہنے،اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد ونصرت کرے،نہ یہ کہ ان سے ناحق فائدہ اٹھائے۔دیکھئے

(WWW.Saaid.het/warathah/ALBarak.com)

یہی موقف الشیخ عبداللہ بن الجبرین کا ہے۔

(WWW.Jebren.com/Fatawa.com WWW.Islamqa.com)

اگر کوئی یہ خیال کرے کہ اگر ٹورس اینڈ ٹراویلس بند کئے جائیں گے تو بہت سے لوگ حج سے محروم رہ جائیں گے،یہ خیال بس خیال کی حد تک ہی درست ہے،مگر حقائق ایسے نہیں ہیں،کیوں کہ چند سال قبل اس طرح کے ٹورس تو نہیں تھے اس کے باوجود لوگوں کی ایک بڑی تعداد حج کی دولت سے مالا مال ہوتی رہی،اسی طرح اگر کوئی ٹوروالا یہ کہے کہ ہم چوں کہ رشوت دیکر ویزا نکالتے ہیں،اور حاجیوں سے وہی رقم وصول کرتے ہیں ویزا فروخت نہیں کرتے،تب بھی ان کا یہ عمل شرعاً صحیح نہیں کیونکہ کسی اور کو ویزا دلانے کیلئے آپ رشوت دینے اور افسروں کی مٹھائیاں گرم کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی،اس لئے کہ بوقت ضرورت خود صاحب حق اپنے حق کو حاصل کرنے کیلئے رشوت دے سکتا ہے،نہ کہ ٹورس اینڈ ٹراویلس والے،اپنی تجارت اور بزنس (Business) کیلئے،خدا را اس طرح کے حیلے بہانے بنا کر غیر شرعی طریقے سے دوسروں کے مال کو کھانے سے کلی اجتناب کریں،کیونکہ دنیوی زندگی چندروزہ اور اخروی زندگی دائمی ہے،یہاں کے چندروزہ عیش وعشرت کے خاطر ہمیشہ ہمیش والی زندگی کو خراب نہ کریں نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت" دانشور،عقلمند وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو پہچان لے اور ایسے اعمال کرے جو مابعد الموت فلاح وکامیابی کا سبب بنے،اللہ تعالیٰ ہمیں پوری طرح دین پر عمل پیرا ہونیکی توفیق دے۔

DU\Tif Files\A004.TIF not found.

اصلاحیات

احتیاط سے کیجئے لباس کا انتخاب

مولانا اسرارالحق قاسمی صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن، نئی دہلی

انسانی زندگی میں لباس کی اہمیت مسلم ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ جسم چھپا رہتا ہے، کوئی بھی مہذب شخص نہیں چاہتا کہ اس کا جسم برہنہ ہو، خاص طور پر جسم کے وہ حصے جن کا چھپانا مرد وخواتین کے لیے ضروری ہے، ان کو ٹھیک طور سے چھپانا ہر سلیم الفطرت شخص چاہتا ہے، جو مرد وخواتین اپنے جسم کو نہیں ڈھانپنا چاہتے اور عریاں یا نیم عریاں رہنا پسند کرتے ہیں وہ یقیناً انسانیت کے توہین کے مرتکب ہوتے ہیں، جسم کا چھپانا انسان کا فطری عمل ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قدیم ترین زمانہ میں جب انسان وسائل وذرائع سے محروم تھے، ان کے پاس کپڑا بھی نہ تھا اور وہ تعلیم یافتہ بھی نہ تھے، پھر بھی وہ اپنے جسم کے خاص حصوں کو پتوں یا گھاس پھونس سے چھپایا کرتے تھے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ بنی نوع انسان نے ہر دور میں اپنے جسم کو چھپانا ضروری سمجھا، البتہ جہالت کی وجہ سے بہت سے لوگ متعدد مواقع پر اپنے اجسام کو اس طرح نہیں چھپاتے تھے، جس طرح چھپایا جانا چاہئے، اسلام نے نوع انسان کو مہذب اور بہترین لباس پہننے کی ہدایت کی، لباس کس طرح کا ہونا چاہئے، لباس کے ذریعہ کن چیزوں کو چھپانا چاہئے؟ دین اسلام نے تمام چیزوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔

اسلام سے قبل لوگ لباس تو پہنتے تھے مگر اپنی شرمگاہوں اور جسم کے جن حصوں کو چھپانا بہت ضروری ہے انہیں چھپانے کو لباس کا بنیادی مقصد نہ سمجھتے تھے، بہت سے لوگ کھلی جگہوں میں قضائے حاجت کرنے کے لیے بیٹھ جاتے، کھلی جگہوں میں نہانے لگتے، عورتیں بھی ایسا لباس نہ پہنتیں جن سے پورے طور پر جسم چھپ سکے، جہالت کا عالم یہ تھا کہ کعبہ کا طواف برہنہ ہوکر کیا جاتا تھا، اسلام نے آکر لباس کی اہمیت سے عوام الناس کو واقف کرایا اور اس انداز کے لباس کو پہننے کی ہدایت کی جس سے ستر چھپ سکے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "یبنی آدم قدانزلنا علیکم لباسا تواری سوآتکم وریشا ولباس التقوی ذلك خیر ذلك من آیات اللہ لعلهم یذکرون"۔ (الاعراف ۲۶)

اے بنی آدم ہم نے تمہارے اوپر لباس اتارا ہے جس سے تمہاری ستر پوشی ہوتی ہے، اور اس میں تمہارے لیے زینت وآرائش کا سامان بھی ہے، اور تقوی کا لباس سب سے بہتر ہے، اور یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے، امید ہے کہ لوگ نصیحت حاصل کریں گے''۔

اس آیت میں لباس کا پہلے مقصد ستر پوشی بیان کیا گیا یعنی لباس اس لیے اتارا گیا تاکہ ستر پوشی کا مقصد حاصل ہوسکے، پھر لباس انسان زینت کا سامان بھی ہے، یعنی لباس انسان کے جسم پر اچھا بھی لگتا ہے، سوال یہ ہے کہ وہ لباس جس سے ستر پوشی کا مقصد پورا نہ ہوا اور اسے پہننے کے بعد بھی انسان برہنہ رہے تو یہ تو ایسے ہوا جیسا کہ لباس پہنا ہی نہیں۔

المیہ یہ ہے کہ آج کے ترقی یافتہ اور مہذب کہے جانے والے دور میں بھی ایسے لباسوں کو اختیار کیا جارہا ہے جو جسم پر اچھے دکھائی دیں لیکن ستر پوشی کے مقصد کو پیش نظر نہیں رکھا جارہا ہے، ظاہری بات ہے کہ جب ستر ہی نہیں چھپے گا تو لباس کا بنیادی مقصد حاصل نہیں ہوسکے

گا، اوراس صورت میں لباس کے کوئی معنی باقی نہیں رہ جاتے ، یہ اور زیادہ تشویشناک بات ہے کہ موجودہ دور میں ہیجان انگیز لباسوں کو زبردست مقبولیت حاصل ہورہی ہے، نئی نسل ان لباسوں کو پسند کررہی ہے جو ہیجان انگیز ہوتے ہیں اورلوگوں کے جنسی جذبات کو برانگیختہ کرنے والے ہوتے ہیں، ایسے لباسوں کو چننے میں مردوں سے آگے خواتین ہیں، جنسی آوارگی کی حدتک اختیار کئے جانے والے لباسوں سماج میں انتشار پیدا ہورہاہے اور ماحول روز بروز پراگندہ ہوتا جارہا ہے، مردوخوتین کی شرم وحیاء جوانمول شے ہے، بتدریج ختم ہوتی جارہی ہے، اسی وجہ سے روز بروز جنسی جرائم کا گراف بھی بڑھتا جارہا ہے، چنانچہ ایسے لباسوں کا تعین بہت زیادہ ضروری ہے ،جس میں پوری طرح ستر پوشی ہوتی ہے، لباس کا انتخاب کرتے وقت ستر پوشی کو ترجیح دینی چاہئے۔

جہاں تک بات تن ڈھانپنے کے لیے کپڑے کی ہے تواس کے لئے گودام کے گودام بھرے ہوئے ہیں ، بڑے بڑے بے شمار کارخانے چل رہے ہیں اور بازار کے بازار کپڑوں سے پٹے پڑے ہیں، مگر افسوس اس کے باوجود عہد حاضر کے بے شمار لوگ اپنے تن کو ڈھانپ نہیں پارہے ہیں، مردوں کے اتنے چست لباس چل پڑے ہیں کہ جسم کے سارے نشیب وفراز دکھائی دیتے ہیں، اگر بات عورتوں کے لباس کی کیجائے تو ان کے لباس اورزیادہ چست اور عریاں ہوتے ہیں، جنھیں پہن کر ان کا جسم چھپتا نہیں اورزیادہ نمایاں ہوتا ہے ، اس پر مستزاد یہ ہے کہ اس طرح کے کپڑوں کو پہننے والی عورتیں صرف گھروں میں نہیں بلکہ گلی کوچوں ، بازاروں ، ہوٹلوں، غرض ہر جگہ نظر آتی ہیں ، جس سے معاشرہ میں پراگندگی پھیلتی ہے اور ماحول عریاں ہوتا ہے۔

اسلام ایسے لباسوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''بہت سی عورتیں لباس پہن کر بھی بے لباس ہوتی ہیں ، یہ دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں اورلوگ ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ، یہ نہ جنت میں جائیں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی جب کہ اس کی خوشبو بہت دور سے محسوس کی جائے گی'' اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ عریاں لباس پہننے کی اسلام میں ہرگز اجازت نہیں ، وہیں اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ایسی عورتوں کو جنت سے دور رکھا جائے گا اور وہ جنت کی خوشبو تک سے محروم رہیں گی ، گویا کہ عریاں لباس پہنے والوں کے لیے یہ سزا ہے کہ انہیں جنت سے محروم کردیا جائے گا، یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سزا کوئی معمولی سزا نہیں ہے۔

لباس پہنتے وقت اس بات کا دھیان رکھیں کہ اس سے ستر پوری طرح چھپتا ہو، چنانچہ مردوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ گھٹنے سے لے کرناف تک جسم چھپائے رہیں، وہ عورتیں جو کھلے ہوئے بازؤں کے کپڑے پہنتی ہیں ، درست نہیں ، کھلا ہوا گلا دکھانا بھی درست نہیں، ایسے کپڑے جن سے ان کی پنڈلیاں نظر آئیں ، وہ بھی درست نہیں، جس لباس میں ان کی کمر یا پیٹ کا حصہ دکھائی دے وہ بھی جائز نہیں، عورتوں کے لیے اپنے سروں اور بالوں کو غیرمردوں کے سامنے کھولنا بھی جائز نہیں، وہ لباس جو بظاہر پورے جسم کو ڈھانکتا ہو لیکن اسے پہن کر جسم کے نشیب وفراز صاف دکھائی دیتے ہوں، وہ بھی درست نہیں جیسے جینس یاچست بنیان وغیرہ، مذکورہ طرز کے لباسوں کو پہن کر باہر نکلنا یا غیرمردوں کے سامنے آنا قطعاً درست نہیں، مردوں کو ریشمی لباس پہننے سے بھی منع کیا گیا ہے اوراس لباس سے بھی جسے پہن کر فخر وغرور ظاہر کرنا مقصود ہو۔

مکمل وساتر کپڑے پہننے اور پردہ کرنے کے بہت سے معاشرتی فوائد ہیں، جب کہ پردہ نہ کرنے اورایسے کپڑے پہنے کے جن میں جسم نظر آئے بہت سے نقصانات ہیں ، یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو پردہ میں رہنے کا حکم کیا گیا ہے، اللہ تعالی نے ارشاد رمایا: ''یاایھاالنبی قل لازواجك وبناتك ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذلك ادنی أن یعرفن فلا یؤذین وکان اللہ غفوراً رحیماً'' اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اورمومنین کی عورتوں کو بتادیجئے

کہ باہر نکلیں تو اپنے چہروں پر پلو کو لٹکا لیا کریں، اس طرح وہ آسانی کے ساتھ پہچان لی جایا کریں گی اور ستائی نہ جائیں گی اور خدا بڑا ہی پردہ پوش اور مہربان ہے، اس آیت سے یہ بات تو صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ خواتین پردہ کا پورا خیال رکھیں، دوسری بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ پردہ کرنے کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ ستانے سے بچ جائیں گی گویا کہ جس پردہ کے تعلق سے طرح طرح کے سوالات اٹھائے جاتے ہیں وہ خواتین کی حفاظت کا اہم ذریعہ ہے، صحابیات پردہ کا پورا اہتمام کرتی تھیں اور مشکل سے مشکل حالات میں بھی بے پردہ نہیں ہوتی تھیں، واقعہ ہے کہ حضرت ام خلادؓ کے صاحبزادے شہید ہوگئے، حضرت ام خلاد اپنے بیٹے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں؛ لیکن اس موقع پر بھی ان کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی، پردہ کے اس اہتمام کو دیکھ کر لوگوں نے معلوم کیا کہ بی بی! اس وقت بھی تمہارے چہرے پر نقاب پڑی ہے، حضرت ام خلاد نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا کہ ''ہاں! میں نے بیٹا کھویا ہے اپنی حیا نہیں''۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ لباس و پردہ کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات پر کما حقہ عمل پیرا ہوں، مغربی تہذیب اور موجودہ دور کی فیشن پرستی پر نہ جائیں، یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اہل مغرب اور وہ اقوام جو دور حاضر میں ترقی یافتہ ہیں وہ اپنا تہذیبی غلبہ چاہتی ہیں اور اس کے لیے ہر ممکن کوششیں کررہی ہیں، خاص طور سے اس سلسلہ میں ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا جارہا ہے، چینلوں کے ذریعہ ایسے لباسوں وطریقوں کو عام کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جو بے حیائی پر مبنی ہیں اور نئی نسل کو لبھانے والے ہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں بہت زیادہ محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔

❁❁❁❁❁

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

اہم تصانیف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو) ۱۰/روپے

۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قواعد، مشق اور طریقہ تدریس اردو) ۱۰/روپے

۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ) ۳/روپے

۴- ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی) ۲۰/روپے

۵- رہنمائے طریقت (شریعت وطریقت، تصوف وسلوک، اخلاق حمیدہ ورذیلہ) ۱۰/روپے

۶- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات، عربی) ۵/روپے

۷- الامامۃ فی الصلاۃ مسائلہا واحکامہا (امامت کے مسائل واحکام، عربی) ۳۰/روپے

۸- التدخین بین الشرع والطب (تمباکو ونشہ آور چیزیں شریعت وطب کی روشنی میں، عربی) ۲۰/روپے۔

۹- حیات عبدالرشید (حضرت رائے پوری کے خلیفہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ کی سوانح حیات) ۵۰/روپے

۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کے والد ماجد کی سوانح حیات) ۵۰/روپے

۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (مولانا محمد میاں شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی وناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند کے حالات زندگی اور کارنامے) ۵۰/روپے

۱۲- تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ (مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر حالات زندگی) ۸/روپے

۱۳- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (علامہ ندویؒ کے مختصر حالات زندگی) ۸/روپے

۱۴- تذکرہ حضرت مدنی (حضرت سید حسین احمد مدنی کے مختصر واہم حالات) ۸/روپے

۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (چودہ بزرگوں کے حالات) ۳۰/روپے

۱۶- مقالات ومشاہدات (مختلف موضوعات پر ۲۷/مضامین کا مجموعہ) ۳۰/روپے

۱۷- مکتوبات اکابر (۲۰/بزرگوں کے خطوط کا مجموعہ) ۳۰/روپے

۱۸- چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول ۱۰/روپے

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

فکر و عمل

وقت کا پیغام اہل مدارس کے نام

مولانا حفظ الرحمٰن کاکوسی، پالن پوری، گجرات

ہندوستان میں مدارس کا قیام اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، یہ اسلامی قلعے ہیں، ہمارے اکابر نے (اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے) باطل کی ساری پلاننگ کو، ان کی غلط اسکیموں کو اپنی دوررس نگاہ اور فراست ایمانی سے بھانپ لیا تھا اور اسی وقت ان مدارس کی بنیاد ڈالی تھی۔

مدارس کا امت مسلمہ پر احسان عظیم ہے کہ ہر موڑ پر، ہر موقع پر مدارس نے امت کو سنبھالا ہے، امت کو جس طرح کے افراد کی جس موقع پر ضرورت پڑی ان مدارس نے مہیا کیا ہے، کیا ہی خوب کہا ظفر بجنوری نے۔

ہیں عام ہمارے افسانے دیوار چمن سے زنداں تک
یہ اہل جنوں بتلائیں گے کیا ہم نے دیا ہے عالم کو

آج کے دور تنزل میں جہاں پر دینی شعبہ ہیں انحطاط ہے، وہیں ہر مدارس کی بھی وہ سطح باقی نہیں رہی جو پہلے تھی لیکن پھر بھی غنیمت ہے، عزائم اور حوصلوں کو بلند کرنے کی ضرورت ہے، نگاہ اللہ پر رکھ کر عملی میدان میں آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ آج اس کا فیض محدود بلکہ کالمعدوم ہو رہا ہے، ابھی ماضی قریب میں مدارس نے امت کو وہ افراد دیئے ہیں جس کی نظیر تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

تھوڑا سنبھلنے کی ضرورت ہے، اہل مدارس خدارا مدارس کو اپنی آبائی جائیداد نہ سمجھیں بلکہ اس کو امت کا مشترکہ سرمایہ سمجھیں، اپنی جملہ ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہیں، اللہ تعالیٰ آج بھی اس کا وہی فیض جاری کریں گے جو پہلے بھی کیا تھا اور اپنے خزانۂ غیب سے ضروریات کی تکمیل کریں گے۔

اہل مدارس کی پہلی ذمہ داری:

پہلی ذمہ داری اہل مدارس کی یہ ہے کہ علاقہ کے بچوں کی خوب تشکیل ہو علم دین کے لیے اور جو بچے مدرسہ میں زیر تعلیم ہیں ان کی تعلیم وتربیت کی خوب فکر کیجئے، پہلے بڑا المیہ تھا تربیت کا، مگر اب تو تعلیم بھی برائے نام ہو رہی ہے، لہٰذا بچوں کو معیاری تعلیم دیجائے، تعلیمی اعتبار سے بھی ان کو پروان چڑھایا جائے اور تربیت بھی خوب سے خوب تر کی جائے، ان میں صفات پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، ان میں عالی حوصلگی پیدا کی جائے انہیں ان کا مقام دیا جائے تاکہ کسی شعبہ میں یہ احساس کمتری کا شکار نہ ہوں۔

آج تعلیمی اور تربیتی دونوں لائن سے مدارس میں بہت بڑا زوال ہے، ہمارے تو فارغین بڑے پست ہمت، احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں، سنہ فراغت حاصل کر لینے کے بعد بھی ان میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں آتی، نہ علمی لائن میں پختہ ہوتے ہیں، نہ علمی واخلاقی زندگی اس پایہ کی ہوتی ہے کہ امت کی رہبری کر سکیں، بقول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی کے ”کہ ہمارے مدارس بانجھ ہو رہے ہیں“۔

آج امت جن حالات سے دوچار ہے اور جس کشمکش میں ہے اس حال میں وہ آپ سے قابل افراد کی خواہاں ہے، خدارا امت کا یہ مطالبہ سمجھیں اور بجائے تعمیرات اور رنگ وروغن پر اپنی صلاحیتوں کو کھپانے کے امت کے اس سرمایہ پر جو طلبہ کی شکل میں آپ کے پاس ہے، ہماری صلاحتیں ان پر صرف ہوں، ہم مایوس نہ ہوں عملی اقدام کریں،

اللہ کی ذات سے یہ بعید نہیں کہ آج بھی آپ کے مدارس سے رازی وغزالی، جنید وجیلانی، شبلی ونعمانی اور رشید وقاسم امت کو ملیں، نبوت کا دروازہ بند ہوا ہے، ولایت اور علم کا دروازہ قیامت تک کے لیے کھلا ہے۔

دوسری بڑی ذمہ داری:

اہل مدارس کی دوسری بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے علاقہ کی فکر کریں، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کس حال میں جی رہی ہے، کلمہ، نماز کا پتہ نہیں، جہالت میں ڈوبکیاں کھارہی ہے، لاکھوں کروڑوں امت کے افراد بغیر کلمہ کے دنیا سے جارہے ہیں، جس امت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سب کچھ قربان کردیا، زندگی بھر فاقوں میں گزارہ کرلیا، صحابہ سے سب کچھ قربان کروایا، دین کی خاطر کتنے بچے یتیم ہوئے، کتنی عورتیں بیوہ ہوئیں، پوری سیرت آپ کے سامنے ہے۔

ان ساری قربانیوں کے بعد یہ امت بنی تھی، آج یہ غیروں کے شکنجے میں پھنسی ہے، کوئی قرآن کے نام پر ان کو بہکا رہا ہے، کوئی حدیث کے نام پر ان پر ڈاکہ زنی کررہا ہے، کوئی مال وزر کا لالچ دے کر ان کا ایمان چھین رہا ہے، اور ہم ان سے بےفکر ہوکر اپنے مدارس اور ان کی تعمیرات میں ایسے الجھے ہوئے ہیں کہ ہمیں کچھ پتہ ہی نہیں، یہ ہمارے لیے کسی حال میں زیبا نہیں ہے، ہم پر بڑی ذمہ داری ہے، جواب دہی بہت بھاری ہے۔

مدرسہ پر پہلا حق علاقہ کا ہے، پورے علاقہ میں آپ کی محنت لگے، دینی فضا بنے، اس کے لیے آپ اپنا کچھ وقت علاقہ کو دیں، علاقہ کا دورہ کریں، ترتیب بنا کر گاؤں درگاؤں جایا کریں، ان کی رہبری کریں، علاقہ میں ہر بستی میں مکتب جاری کرنے کی فکر کریں، گاؤں والوں کو ترغیب دیکر شوق دلا کر ہر جگہ مکتب شروع کریں، ضرورت ہے ان کا مالی تعاون کریں، ہر مکتب میں جزوی تعاون دیں، اللہ بہت بڑا ہے، بجٹ سے نہ گھبرائیں، اپنے مدرسہ کا کچھ بجٹ کم سے کم دس فیصد علاقہ کے مکاتب پر لگائیں، باقاعدہ اپنے مدرسہ میں مکاتب کا ایک شعبہ رکھیں، اللہ کی ذات پر نگاہ رکھ کر علاقہ میں مکاتب کی محنت شروع کریں، اس سے انشاء اللہ علاقہ کی بڑی حد تک ضرورت پوری ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اپنی محنت وفکر سے علاقہ کو یہ باور کرائیں کہ یہ مدرسہ علاقہ والوں کا ہے اور آپ علاقہ کے خیرخواہ ہیں، ابھی دونوں کا رخ الگ الگ ہے، علاقہ سمجھ لیا ہے کہ مدرسہ مولوی صاحب کا ہے، ہمارا نہیں ہے اور آپ اپنے مدرسہ میں ایسے الجھے ہیں کہ علاقہ سے آپ کا کوئی تعلق ہی نہیں، ہاں سال میں ایک مرتبہ رسید لے کر علاقہ والوں سے ملتے ہیں اس کے علاوہ کوئی تعلق نہیں، یہ بیگانگی اور دوری ختم کریں، ان کو اپنے سے مانوس کریں۔

علاقہ پر محنت کے فوائد:

پھر آپ دیکھیں گے کہ علاقہ کس طرح آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور کیسی دینی فضا علاقہ میں بنتی ہے، پھر آپ کے لیے کتنی سہولتیں پیدا ہوگی، جہاں مدارس اور علاقوں میں باہم روابط ہے، مدارس والے علاقہ کی دینی فکر کرتے ہیں، اس کے لیے دورہ کرتے ہیں قربانیاں دیتے ہیں وہ مدارس بہت اچھے چل رہے ہیں، وہاں کی عوام مدرسہ کو اپنا مدرسہ خیال کرتی ہے۔

علاقہ پر محنت کا پہلا فائدہ یہ ہوگا کہ جب علاقہ میں دینی فضا بنے گی تب تو اچھے اور قابل بچے مدرسہ کو ملیں گے، بچوں کی تشکیل کے لیے ادھر ادھر گھومنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ مدرسہ کی علاقہ پر محنت کے سبب علاقہ کا تعلق محبت اور رجوع مدرسہ کی جانب ہوگا اور عوام اپنا مدرسہ سمجھے گی، تو بڑی حد تک مدرسہ کی ضروریات بھی انشاء اللہ علاقہ سے پوری ہوگی اور اس کے کچھ نمونے الحمدللہ کچھ علاقوں میں موجود ہیں، مدرسہ میں تصحیح قرآن کا شعبہ قائم کریں تاکہ علاقہ کے بڑے حضرات اور علماء کرام اس سے فائدہ اٹھا سکیں، اسی طرح معلم کورس کا شعبہ رکھیں تاکہ گاؤں اور دیہات کے لیے معلمین فراہم ہوسکیں۔ ❁❁❁

انکشاف

امریکہ مسلمانوں کی دریافت

خالد سلیم مکان نمبر ۱۶/روجے پارک یمنا نگر وہار، دہلی

مسلمانوں کو جہاں اور بہت سے علمی شوق تھے وہیں ان کو سیاحی خصوصاً سمندروں کی سیاحی کا بھی شوق تھا، انہوں نے اسی شوق کی بدولت عجائبات دنیا دریافت کئے اور اپنے اسی شوق کی بدولت مسلمانوں نے سب سے زیادہ اسفار کئے، ان کے سفرناموں سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دنیا کو ان سفرناموں سے کتنا زبردست فائدہ پہنچا ہے، مسلم سیاحوں کے ان سفرناموں کے ترجمے آج دنیا کی تمام زبانوں میں موجود ہیں، جن سے اہل مغرب نے بڑے فائدہ اٹھائے اور سمندروں سے نہ صرف راستہ دریافت کئے بلکہ سمندروں کی سمتوں کے علاوہ سمندروں سے بیش بہا دولت بھی حاصل کی۔

اب دنیا پر یہ حقیقت بھی واضح ہوچکی ہے کہ مسلمانوں نے کولمبس سے پہلے ہی امریکہ کو دریافت کرلیا تھا اور انہوں نے بحری راستے سے امریکہ سے تجارت شروع کردی تھی، کئی معتبر تاریخی حوالوں سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ مسلمانوں کے امریکی لوگوں سے رابطے قائم ہوچکے تھے، برطانیہ کے مشہور اہل قلم خالد خیلڈرک نے تحقیقات سے ثابت کیا ہے کہ جن لوگوں نے ابتداء میں امریکہ کو دریافت کیا وہ مسلمان ہی تھے اور ان مسلم سیاحوں کے بنائے ہوئے نقوش اور نشاند ہی سے فائدہ اٹھا کر کولمبس امریکہ پہنچا تھا، انہوں نے ایک جگہ تحریر کیا ہے:

''ہمارے پاس جو تاریخی مواد موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسپین کے مورو یعنی مسلمانوں کا تجارتی اور کاروباری تعلق امریکہ کے قدیم باشندوں سے بہت پہلے قائم ہوچکا تھا اور یہ سلسلہ امریکہ کے کولمبس پہنچنے سے تقریباً ۲۷۰/ برس پہلے قائم ہوچکا تھا جس سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ امریکہ کے قدیم باشندوں سے اسپین کے مسلمانوں کے روابط تقریباً پانچ صدی پہلے سے قائم تھے''۔

کولمبس کے متعلق یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اس کو دراصل سونا حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا، اسی لیے اس نے ملکہ ازابیلا سے مل کر یہ پلان پیش کیا کہ اگر آپ میرے لیے جہازوں کا انتظام کردیں تو میں امریکہ جاؤں گا اور وہاں سے اس قدر سونا لاؤں گا کہ اسپین کا خزانہ بھر جائے گا، چونکہ اسپین پر ملکہ ازابیلا اور اس کے شوہر فرڈیننڈ کو تازہ تازہ فتح حاصل ہوئی تھی اور اسپین سے مسلمانوں کا اقتدار ختم ہوچکا تھا جس کی وجہ سے اسپین کی معاشی حالت انتہائی خراب تھی، ملکہ ازابیلا نے کولمبس کے لیے جہازوں کا انتظام کرایا اور کولمبس مسلمانوں کے بنائے ہوئے نقشوں کی مدد سے اسپین سے روانہ ہوکر امریکہ جا پہنچا، اس کا اصل مقصد صرف سونے کا حصول تھا، چنانچہ اس نے امریکہ کا سفر کیا اور پھر دنیا اس کو امریکہ دریافت کرنے والا کہنے لگی۔

بتایا جاتا ہے کہ جب بیچ سمندر میں کولمبس کے ساتھی پھنس گئے اور ان کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ ہم زندہ سلامت واپس نہیں لوٹ سکیں گے، اگر ہم نے یہ سفر جاری رکھا تو انہوں نے کولمبس سے کہا واپس چلو ورنہ تمہارے ساتھ ہم بھی مارے جائیں گے، تو اس نے واپس جانے سے انکار کردیا؛ لیکن کولمبس کے ساتھی واپسی پر بضد ہونے لگے تو اس نے کہا میرے پاس جو نقشے موجود ہیں مجھے ان نقشوں پر پورا بھروسہ ہے کہ ہم ہر حالت میں امریکہ جائیں گے کیونکہ وہ نقشے کبھی غلط

ثابت نہیں ہوسکتے، عربوں نے جو نقشے بنائے ہیں وہ بہت ہی زیادہ صحیح ہیں؛ لیکن میں پھر بھی تم سے درخواست کرتا ہوں کہ ایک دو روز اور صبر کرو اگر ہمیں پھر بھی زمین دکھائی نہیں دی تو میں واپس چلنے پر راضی ہو جاؤں گا، لیکن دوسرے ہی دن کولمبس کے قافلے کو امریکہ کا ساحل نظر آ گیا۔

خالد شیلڈرک تحریر کرتے ہیں:

''لفظ امریکہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ کولمبس کے امریکہ پہنچنے سے قبل اسپین کے جو تاجر جہازوں میں سوار ہو کر امریکہ جایا کرتے تھے، ان کو امریکی باشندے امیر جہاز کہہ کر پکارتے تھے، یعنی امیر جہاز کے نام سے پکارتے تھے، جب کولمبس کا جہاز امریکہ پہنچا تو وہاں کے مقامی باشندوں نے حسب عادت امیر جہاز کے نعرے لگائے، ان نعروں کو سن کر کولمبس اور اس کے ساتھیوں نے اس ملک کا نام یہی تجویز کر لیا اور پھر کولمبس نے اسی نام کو دنیا سے متعارف کرایا''۔

ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر لیویر نے اپنی کتاب ''افریقہ اور امریکہ کی دریافت'' میں لکھا ہے:

''کولمبس امریکہ کو دریافت کرنے والا پہلا شخص نہیں ہے بلکہ تاریخی دستاویزات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کولمبس سے بہت پہلے اسپین کے عرب ملاح امریکہ دریافت کر چکے تھے اور امریکہ کے قدیم باشندوں اور اسپین کے مسلم باشندوں میں تجارتی تعلقات بھی قائم تھے''۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ امریکہ کولمبس نے نہیں بلکہ مسلمانوں نے دریافت کیا تھا، جس پر بڑی چالاکی سے پردہ ڈال دیا گیا ہے لیکن کیا مسلمانوں کے دشمن ان کے تمام کارناموں پر پردہ ڈال سکیں گے۔

❁❁❁❁❁

نعت شریف

حق پر رہے تو جینے کا سامان بہت ہے
جو دین سے ہے دور پریشان بہت ہے

ڈھونڈو نہ ہدایت کا کوئی اور طریقہ
مومن کی ہدایت کو یہ قرآن بہت ہے

دن رات برستی ہے خداوند کی رحمت
بخشش کے لیے مومنو! رمضان بہت ہے

قہار ہے جبار ہے مالک میرا لیکن
غفار ہے ستار ہے رحمٰن بہت ہے

مولا کے سوا غیر کے آگے نہ جھکے سر
مومن ہے تو بس اتنی سی پہچان بہت ہے

تقلید میں جبریل بھی کملی میں ہیں لپٹے
رتبے میں ابوبکر تیری شان بہت ہے

دریا کے حوالے کوئی اب جان نہ ہوگی
فاروق مراسم کا یہ فرمان بہت ہے

قرآن کو ترتیب سے یکجاں کیا جس نے
اس مالک امت پہ یہ احسان بہت ہے

خیبر کا ہو دروازہ یا مرحب سا پہلوان
ان سب کے لیے حیدرِ ذیشان بہت ہے

ایمان کی کرتے رہو تم جان سے حفاظت
ہر سمت یہاں کفر کا طوفان بہت ہے

ہم روز تصور میں پہنچتے ہیں اے ضیاءؔ
طیبہ کا سفر اس طرح آسان بہت ہے

محمد عرفان خان ضیاء
مقام شاملی، ضلع مظفرنگر (یوپی)

جائزہ

امت کی تشکیل نو میں نوجوانوں کا کردار

ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی، بھٹکلی

کوئی بھی اس بات سے اختلاف نہیں کرسکتا کہ ہماری قوم عالمی تہذیبی میدان میں پچھڑی ہوئی ہے، ہم صرف چیزوں کا استعمال کرتے ہیں، کسی چیز کی ہمارے یہاں پیداوار نہیں، ہم تقلید کرتے ہیں، ایجاد نہیں کرتے، ہم نے اپنے معاملات کو دوسروں کے حوالے کردیا ہے، ہماری گاڑی چلانے والے دوسرے ہیں ہماری گاڑی ان کی مصلحتوں اور مفادات کے مطابق چلتی ہے، اس تنزل کے اسباب کا تجزیہ کرنے والے دو گروہ میں تقسیم ہوگئے ہیں:

ایک گروہ سامراجیت کو ہماری تمام تر پسماندگی اور تنزل کا ذمے دار ٹھہراتا ہے۔

دوسرا گروہ امت کے تمام حلقوں پر چھائے ہوئے جہل ولاعلمی، اخلاقی گراوٹ اور علمی وفکری جمود کو ہی حقیقی سبب گردانتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نوآبادیاتی نظام نے سرداری کا تاج پہن لیا ہے اور قیادت کی کمی کو پورا کیا ہے، اس گروہ کا خیال ہے کہ اگر یہ امت اپنے دین اور اخلاق کو مضبوطی سے تھامے ہوئے سامراجی حملوں کے مقابلے پر اتر آئے، اپنے علوم میں ندرت وتنوع اور ایجاد واختراع سے کام لے، اپنی تہذیب اور فکر میں ترقی کرے تو سامراج ناکام ونامراد ہوجائے گا، جس کے نتیجے میں میدان مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہوگا، سامراج خود اسلام سے متأثر ہوگا، اس کا کوئی اثر امت پر نہیں پڑے گا، اس طرح کے واقعات اس امت کے ساتھ تاتاریوں اور صلیبیوں کے حملوں کے وقت پیش آچکے ہیں، جب یہ امت اپنی علمی وفکری جولانی اور جوانی کے دور میں تھی۔

آخری سامراجی حملے کی ابتدا دسویں صدی ہجری میں ہوئی اور یہ حملہ چار صدیوں تک چلتا رہا، اخیر میں پہلی جنگ عظیم کے بعد مسلمانوں کے علاقوں پر مکمل کنٹرول اور بالادستی حاصل کرنے میں سامراج کو کامیابی ملی، ان علاقوں میں مسلمانوں پر بے پناہ ظلم وستم ڈھایا گیا، سامراجی قبضے نے امت مسلمہ کو مختلف قبیلوں، گروہوں اور چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم کردیا اور امت مسلمہ کے اتحاد ووحدت کی بنیاد ''فکر اسلامی'' سے نبرد آزمائی کی، تعلیم یافتہ طبقے میں خصوصاً اور عوام کے ذہنوں میں عموماً اس فکر کو پیوست کردیا کہ مشرقی اسلامی علاقے اگر اپنی غفلت سے بیدار ہونا چاہتے ہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ دین کو اسی طرح اپنی زندگی سے اتار پھینکیں، جس طرح ہم نے کیا ہے اور یورپی علمی اور سائنسی تہذیب کی طرف متوجہ ہوں، کیونکہ اس میں پہلے بھی اور آج بھی ان کا علاج اور تمام پچھڑی ہوئی قوموں کا علاج ہے۔

دین کے ساتھ مغرب کے سلوک کی الگ ہی داستان ہے:

حکومت چرچ کی تھی، تمام افراد بشمول حکام وقائدین اس کے تابع فرمان تھے، چرچ نے اپنے عقائد کی بنیاد چند یونانی علمی اور فلسفیانہ نظریات پر رکھی تھی، جب بیداری کا دور شروع ہوا اور سائنس دان تحقیق اور تجزیہ کرنے لگے تو ان کو چرچ کے علمی اور فلسفیانہ نظریات میں کمی نظر آنے لگی اور خلل کا احساس ہونے لگا، اہل کنیسہ کے لیے یہ بات برداشت سے باہر تھی کہ وہ اپنے عقائد ونظریات سے دستبردار ہوجائیں، یا کسی قسم کی مفاہمت کرلیں، یا صاف اور واضح تنقید اور مسلمات کی صحیح

تحقیق کو قبول کرلیں، بلکہ ان لوگوں کا خیال تھا کہ ان بنیادی نظریات کے کسی حصے میں بھی قسم کی تبدیلی یا کمی ہوجائے تو یقینی طور پر پورا محل ہی منہدم ہوجائے گا اور پورے دین کا ہی خاتمہ ہوجائے گا، اسی وجہ سے اہل کنیسا نے اپنی پوری قوت کے ساتھ ان سائنس دانوں او رعلماء کا مقابلہ کیا، ان کو جیل کی کوٹھریوں میں ٹھونس دیا، قتل کیا اور جلا دیا، روز بروز اس چیلنج میں اضافہ ہونے لگا (اسی میں بیداری کے قائدین اور سائنس دانوں کی بھلائی تھی) جس کے نتیجے میں اہل کنیسہ کی گوشہ نشینی میں اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ ان کا مکمل زوال ہوگیا، یہ دشمنی چرچ اورنصرانیت کی حد تک محدود نہیں رہی، بلکہ اس کا دائرہ ہر دین تک وسیع ہوگیا، دین ان کی نظروں میں دھوکہ اور فریب کا نام بن گیا، جس میں عقلی تجربات کے سامنے ٹھہرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی، اس کے عقائد کی بنیاد (ان کے گمان کے مطابق) بلا دلیل اندھی فرماں برداری اور تقلید پر ہوتی ہے، وہ علمی روشنی اور معرفت کی ترقی سے گھبراتا ہے کہ کہیں اس کا پول نہ کھل جائے اور حقیقت لوگوں کے سامنے آشکارہ نہ ہوجائے۔

اس کے نتیجے میں رونماهونے والے برے نتائج :

یہ مسئلہ مغربی تہذیب کو رخ دینے میں بڑی اہمیت کا حامل ہے، یہیں سے علمی ونظریاتی اورمعاشرتی تبدیلی میں اس کے آثار نمایاں ہوگئے، جس سے ان لوگوں کی زندگی سے دین کے نکلنے کی وجہ سے پایا جانے والا عقلی اورنفسیاتی خلا پر ہوگیا۔

اس کا خطرناک نتیجہ یہ سامنے آیا کہ دین صرف ایک نفسیاتی اور شخصی مسئلہ بن کررہ گیا، اس کا تعلق صرف فرد سے ہے، اس کے علاوہ معاشرتی، سیاسی اوراقتصادی مسائل کے ساتھ دین کا کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔

اسی طرح دین اورعلوم فنون اور آداب کے درمیان علمی بیداری کے ابتدائی زمانے ہی سے دشمنی شروع ہوگئی، جس نے اس تہذیب کو ملحدانہ بنادیا اورتمام قیدوبند سے آزاد کردیا۔

جس طرح دین میں انسانی وجود کی تشریح متعین طور پر کی جاتی ہے اسی طرح مادیت کے علاوہ کسی دوسری چیز پر یقین نہ رکھنے والی نئی تہذیب نے بھی انسانی وجود کی تشریح کی کوشش کی اور کہا:

''انسان ایک حیوان ہے، اس کا وجود اس سرزمین پر اچانک ہوا ہے، کسی کے سامنے وہ جواب دہ نہیں ہے اور نہ کسی سے اس کو کوئی رہنمائی ملے گی، اس کے اوراس سے پہلے والوں کے تجربات ہی رہنمائی کا واحد منبع اورسرچشمہ ہیں''۔

انسانی وجوداور حیات وکائنات سے اس کے تعلقات کی تشریح میں موجودہ تہذیب نے چند فلسفیانہ نظریات اختیار کئے ہیں، جن کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔

۱- زندگی مادیت کا نام ہے، انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ آزمائش پر نہ اترنے والی کسی بھی چیز پر یقین نہ کرے۔

۲- زندگی کشمکش کا میدان ہے۔

هیکل اس نظریے کاقائد هے:

کشمکش کے بارے میں فلاسفر ہیکل نے کہا ہے: ''ہر زمانے کی الگ تہذیب ہوتی ہے اور یہ تہذیب دوسرے سابقہ اصول ومبادیات کے ساتھ کشمکش کے ذریعہ اپنے آپ کو ثابت کرتی ہے، چند اقدار راستے ہی سے نکل جاتے ہیں اور باقی رہنے کے لائق اقدار نئی تہذیب میں باقی رہتے ہیں، جب زمانے میں پختگی آجاتی ہے تو اس میں مخالف افکار کا حامل ایک نیا گروہ سامنے آتا ہے اور مقابلہ شروع ہوجاتا ہے اور نئے زمانے کے لیے نئی تہذیب وجود میں آتی ہے''۔

یہ فلسفہ جو تمام مغربی افکار کی اصل بنیاد ہے، اس بات پر پوری توجہ دیتا ہے کہ گذشتہ زمانوں کی کوئی بھی چیز قیمتی نہیں ہے اوراس کی کچھ بھی اہمیت نہیں ہے، دوسرے الفاظ میں کوئی شخص بھی ادیان میں رہنمائی کی امید نہ رکھے؛ کیونکہ اس پر ایک طویل زمانہ گزر چکا ہے۔

ڈاروین کی نظریه :

ڈاروین کا نظریہ یہ ہے کہ ''زندگی طاقتور اور کمزور کے درمیان کشمکش کا میدان ہے، طاقتور کامیاب ہوتا ہے۔ ﴿بقیہ اگلے صفحہ ۳۸/ پر﴾

شخصیات

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

شخصیت کے چند پہلو

محمد دلشاد ندوی خادم فلاح المسلمین امین نگر تیندوہ، رائے بریلی

جس عظیم شخصیت پر آج قلم اٹھایا ہے، وہ مجھ جیسے بے بضاعت کے داد تحقیق کی محتاج نہیں کیونکہ اس کی پوری سوانح حیات مرتب ہو چکی ہے اور بیشمار مضامین لکھے جا چکے ہیں، یہ وہ شخصیت ہے جس کو چودھویں صدی ہجری کی علمی کہکشاں میں ماہتاب کی حیثیت حاصل ہے اور وہ ماہتاب حضرت علامۃ الدہر سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ ہیں۔

یہ ماہتاب ایک بیدار اور روشن ضمیر خاندان میں جمعہ کے دن صفر ۱۳۰۲ھ مطابق نومبر ۱۸۸۴ء میں پیکر جمال بن کر حکیم سید ابوالحسن کے گھر بہار کی راجدھانی پٹنہ کی ایک بستی دیسنہ میں جلوہ گر ہوا، موصوف کا نسب نامہ ۳۷؍ واسطوں سے حضرت امام حسینؓ تک پہنچتا ہے، آپ جس خاندان کے چشم و چراغ تھے وہ برکات اور فیوض ربانی سے معمور تھا، اس لیے معرفت الٰہی اور ابتدائی تعلیم و تربیت کے لیے باہر قدم رکھنے کی ضرورت نہیں تھی، لہٰذا مکتبی تعلیم کے بعد آپ نے بڑے بھائی سید ابوحبیب سے پڑھنا شروع کیا، اور فارسی کی درسیات اور عربی میں میزان، منشعب، صرف میر، فصول اکبری اور شرح ملا جامی تک کی تعلیم بھائی سے حاصل کی، پھر ۱۸۹۸ء میں مولوی سید ابوحبیب صاحب حج کو چلے گئے، اس لیے دیسنہ میں تعلیم کا سلسلہ ختم ہو گیا اور پھلواری شریف بھیجے دئے گئے، ایک سال پھلواری شریف میں قیام کے بعد مدرسہ امدادیہ دربھنگہ بھیج دئے گئے جہاں ان کے بعض اعزہ رہتے تھے، وہاں شرح تہذیب تک پڑھا، اس کے بعد ۱۹۰۱ء کے آغاز میں موصوف دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ابتدائی سال دوم میں داخل ہوئے، آپ کے علمی و تعلیمی انہماک سے متعلق مؤلف ''حیات سلیمان'' مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی علیہ الرحمہ نے آپ کے رفیق قدیم مولانا عبدالباری صاحب ندوی کے حوالہ سے تحریر کیا ہے۔

''علمی ذوق وشوق کی عام فضا ندوہ میں استاذ محترم (مولانا شبلی) کے دور میں پیدا ہوئی، لیکن سید صاحب جہاں تک دیکھا اور سنا اس سے پہلے بھی کتاب کے کیڑے تھے، کھیل کود میں نمایاں شرکت تو قطعاً یاد نہیں، نہ میل جول اور سیر و تفریح کی زیادہ عادت تھی، یہی رنگ طبیعت آخر تک رہا کہ خاص تعلق کے لوگوں تک بھی ''دلے برندش'' پہنچ پاتے، گویا یکسوئی ان کا طبعی امر تھا، جو علم و عمل کی ہر راہ میں کسب کمال کی شرط ہے''۔ (حیات سلیمان صفحہ ۱۴)

ندوہ میں آکر علامہ شبلی کی آغوش تربیت میسر ہوئی اور علم کلام، تاریخ اور اردو ادب کی پیاس انہیں سے بجھائی، سب سے بڑھ کر یہ کہ تحقیق و تدقیق اور تصنیف و تالیف کا اعلیٰ مذاق یہیں سے پایا اور یہاں پانچ سال رہ کر ۱۹۰۶ء میں سند فراغ حاصل کی۔

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی استفادہ کے متعلق مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی علیہ الرحمہ اپنی کتاب ''حیات سلیمان'' صفحہ ۲۵؍ پر یوں رقمطراز ہیں:

''سید صاحب اس سرچشمہ فیض سے زیادہ سیراب ہوئے اور درس قرآن کے اوقات کے علاوہ بھی استفادہ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، ان کی صلاحیت اور ذوق وشوق کو دیکھ کر مولانا شبلی نے ان کی تربیت کی جانب توجہ کی۔ ''الندوہ'' کے بہت سے کام ان کے سپرد کر دئے اور دوسرے علمی کام بھی زیادہ تر ان ہی سے لیتے تھے۔

موصوف کی خطابت پر ایک نظر دوڑائیں مارچ ۱۹۰۷ء مطابق محرم ۱۳۲۴ھ میں ندوہ میں دستار بندی کا پہلا اجلاس ہوا، علامہ شبلی کے حکم کے مطابق انہوں نے علوم جدیدہ وقدیمہ کے عنوان پر ایک پرمغز تقریر سامعین کے گوش گزار کی اور سامعین کو آئینہ حیرت بنادیا، پھر عوام کی طلب پر برجستہ عربی تقریر شروع کی، جلسہ پر ایک سماں چھا گیا، خواجہ غلام الثقلین کے منتخب کردہ عنوان ''ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیونکر ہو'' پر اپنے خیالات کا فصیح وبلیغ انداز میں اظہار کیا، تو ہر جانب سے ''احسنت وآفریں'' کی صدائیں گونج اٹھیں، پھر آپ کے استاذ علامہ شبلی علیہ الرحمہ نے جوش مسرت میں اپنا عمامہ اتار کر آپ کے سر پر رکھ دیا، اس طرح یہ عمامہ آپ کے لیے کلاہ افتخار بن گیا اور قدرت نے آپ کے سر پر شہرت وعظمت کا تاج رکھ دیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کو باضابطہ ''الندوہ'' (جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کا مشہور علمی رسالہ اوراسی کا نقیب تھا) کا سب ایڈیٹر مقرر کردیا گیا، حیات سلیمان صفحہ ۳۳ر پر تحریر ہے کہ ''الندوہ'' کی سب ایڈیٹری کے ساتھ ۱۹۰۸ء میں ان کو دارالعلوم میں عربی انشاء کا معلم مقرر کیا، اس کے لیے ایک سال بعد ۱۹۰۹ء میں نائب ادیب مقرر ہو گئے اور ۱۹۰۸ء سے لے کر ۱۹۱۳ء تک اس خدمت پر رہے اور انہوں نے علامہ شبلی کے فیض صحبت سے زیادہ فائدہ اسی زمانہ میں اٹھایا۔

''الندوہ'' کی ادارت کے سلسلہ میں مولانا سید ابوظفر ندوی یوں رقمطراز ہیں کہ ''آپ کے معاصر شہیر مدیر بےنظیر مولانا دریابادیؒ گواہ ہیں کہ نگاہیں جس شوق وبےتابی سے مولانا شبلی کی تحریروں کی منتظر رہتی تھیں، اس سے کچھ کم اشتیاق حضرت سلیمان کے بھی علمی افادات کا نہیں رہتا تھا۔ (تذکرہ سلیمان صفحہ ۵۴)

اس قلیل مدت میں آپ نے جدید وقدیم عقلی ونقلی علوم وفنون پر ایسے بلند پایہ وعارفانہ مضامین لکھے جن کیوجہ سے جدید وقدیم دماغوں پر آپ کا سکہ جم گیا اور آپ صف علماء میں انتہائی نمایاں نظر آنے لگے اور آناً فاناً تشنگان علم دور دور سے اس تازہ چشمہ کی طرف لپکے اور میخانہ علم وادب سے خوب خوب سیراب ہوئے، اسی دوران آپ نے ''دروس الأدب'' کے نام سے ایک کتاب لکھی اور بعد میں ''لغات جدیدہ'' کی تالیف کی جو عوام میں مقبول ہوئی، آپ کی کتاب ''سیرت النبیؐ'' جو سات جلدوں پر مشتمل ہے اس کو جو طبقۂ خواص وعوام میں مقبولیت حاصل ہوئی، وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے، غرض سلیمانی قلم کی ہر نگارش مقبول خاص وعام ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ اقلیم عالم پر سلیمانی سطوت قائم ہوگئی۔

آپ نے کبھی کسی پر لعن طعن، سب وشتم نہیں کیا، آپ حمیت دین میں سب سے زیادہ پیش پیش رہتے تھے، مگر مزاج کی نرمی اور خدا ترسی ہر مرحلہ اختلاف میں خلاف وجدال سے باز رکھتی تھی۔

اکتوبر ۱۹۴۹ء مطابق ۱۳۶۸ھ کو اپنی اہلیہ محترمہ اور صاحبزادہ ڈاکٹر سید سلمان ندوی کو لے کر ممبئی سے خسرو نامی جہاز پر بیت اللہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے اور دسمبر ۱۹۴۹ء میں علالت کے ساتھ حج سے واپسی ہوئی، علالت میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہا، حتی کہ اتوار ۱۴ر ربیع الاول ۱۳۷۳ھ مطابق ۲۲ر نومبر ۱۹۵۳ء کی رات ساڑھے سات بجے ''راضیۃ مرضیۃ'' کی جیتی جاگتی تصویر بن کر طائر روح قفص عنصری سے سنت نبوی پر گامزن رہ کر سرعت کے ساتھ پرواز کر گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

اس طرح سیرت نبوی کا سب سے بڑا مصنف اس جہاں سے رخصت ہوگیا اور اپنے پیچھے دنیا کے سب سے بڑے انسان کی سیرت کا وہ ذخیرہ چھوڑ گیا جو ہزاروں قلوب کا مداوا اور لاکھوں نفوس کے لیے مشعل راہ ہے، حق یہ ہے کہ سیرت نبویہ کا ایسا عظیم مصنف دنیا نے شاید ہی کبھی دیکھا ہو، متأخرین کی بات چھوڑیئے، متقدمین میں بھی ایسی مثالیں شاذ ونادر ہی ملیں گی، خدا اس گوہر نایاب کو ہر ہر طرح سے نوازے، زمانہ کی یہ قسمت کہاں کہ وہ روز روز ایسی شخصیات پیدا کرے، صدیوں کے بعد ایک شخص ملا تھا، پھر پتہ نہیں اس طرح کی شخصیت پیدا ہونے کے لیے کتنی صدیاں بیت جائیں۔

هيهات لايأتي الزمان بمثله ❁ إن الزمان بمثله لبخيل

فضائل

نماز کی اہمیت وفضیلت

مولانا محمد حذیفہ وستانوی استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا

اللہ رب العزت نے کائنات کو وجود بخشا، بنی آدم کو اشرف الخلائق بنایا اور اشرف الخلائق کو ایک عظیم مقصد سے پیدا کیا اور وہ ہے عبادت: ”وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ“ میں نے انسان اور جنات کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔

حدیث میں ہے: ”اَلدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَ أَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلآخِرَةِ“ دنیا تمہارے لیے بنائی گئی ہے اور تم آخرت کے لیے پیدا کئے گئے ہو۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں اللہ کی عبادت کرنے کے لیے کوئی نہیں تھا، اس لیے انسان اور جنات کو عبادت کے لیے پیدا کیا بلکہ قرآن کے بیان کے مطابق ”مَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ“ کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح وتحمید نہ کرتی ہو، حیوانات ہی نہیں، نباتات و جمادات تک اللہ کے ذکر میں مشغول ہیں، مگر ان کے اذکار، تسبیحات و تحمیدات اختیاری نہیں مگر اللہ نے انسان کو وجود دے کر اسے اختیار دیا کہ ”فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَ مَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ“ جس کو ایمان لانا ہو وہ ایمان لائے اور جسے کفر کرنا ہو کفر کرے، گویا انسان اپنے اختیار سے ذکر اور عبادات کرتا ہے۔

گویا سمجھ کر عاجزی اور اختیار کے ساتھ اللہ کو یاد کرنا یہی اصل عبادت ہے اور اس کا صدور انسان اور جنات ہی سے ہوسکتا ہے، گویا انسان اور جنات کی عبادت اور ذکر دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں ممتاز ہے، اسی لیے ان دونوں جماعتوں کو عبادات میں کامیابی کی صورت میں جنت اور اللہ کی خوشنودی ورضامندی جیسی عظیم نعمتیں دی جائیں گی اور عقل وسمجھ دینے کے باوجود ناکامی کی صورت میں انتہائی خطرناک سزا جہنم اور اللہ کی ناراضگی کی صورت میں بطور سزا دی جائے گی، بہرحال عبادتوں میں ام العبادات اور اصل العبادات نماز ہے، مگر امت کا ایک بڑا طبقہ اس سے اعراض کر رہا ہے، لہٰذا قرآن وحدیث اور علمائے مسلمین کے اقوال کے روشنی میں ہم ترک صلوٰۃ کی سزا پر امت کو باخبر کرنے کی کوشش کرنے جارہے ہیں، اللہ ہم سب کو موت تک اسلام وایمان پر قائم ودائم رکھے اور ایمان واسلام کے تقاضوں کو اخلاص کے ساتھ بجا لانے کی توفیق دے۔

اسلام اور ایمان:

ایک ہے اسلام اور ایک ہے ایمان، ایمان کے ارکان ہے: ایمان باللہ وایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب السماویہ، ایمان بالرسل، ایمان بالآخرت، ایمان بالقدر، ایمان بالبعث، یعنی ان تمام چیزوں کا دل سے اقرار کرنا اور زبان سے اس کا بولنا۔

ان چھ چیزوں کو ارکان ایمان کہا جاتا ہے، ایمان بالآخرۃ اور بالبعث کو ایک گردانا گیا ہے، آخرت کے بعد بعث بعد الموت کا تکرار اس لیے ہے کہ عام طور پر مرنے کے بعد زندہ ہونے کو لوگ نہیں تسلیم کرتے، لہٰذا یوم آخرت کے بعد اخیر میں والبعث بعد الموت کا اضافہ تاکید کی غرض کیا گیا ہے، اگر ان میں کسی ایک کا بھی انکار کردیا جائے، تو انکار کرنے والا اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، مثلاً کوئی اللہ کو ایک مانے اور نبی کا انکار کردے، یا بعث بعد الموت کا انکار کردے، یا ملائکہ کے وجود کا انکار کردے، یا قدر کا انکار کردے تو وہ مؤمن نہیں ہوسکتا، اگر ان میں سے کسی چیز کے بارے میں شک بھی کرے تو دین سے

خارج ہوجاتا ہے۔

ایمان کا تعلق قلب سے ہوتا ہے، اسی لیے کوئی آدمی اپنے مؤمن ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا، قرآن کہتا ہے: "قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا" اعرابی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور مؤمن ہوگئے، آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے البتہ یہ کہو کہ اسلام لے آئے، شیخ الاسلام فقیہ العصر، مفکر ملت حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: ''سچا مسلمان ہونے کے لیے صرف کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں ہے بلکہ دل سے اسلامی عقائد کو ماننا اور اپنے آپ کو اسلامی احکام کا پابند سمجھنا ضروری ہے''۔ (آسان ترجمہ قرآن: صفحہ ۱۵۸۶)

اسلام کے ارکان پانچ ہیں: "بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اِقَامُ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَ صَوْمُ رَمَضَانَ وَ حَجُّ الْبَيْتِ"، کلمۂ شہادت کا تلفظ کرنا، نماز کی پابندی اور خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا۔

ان میں تین میں عموم ہے یعنی ہر کس و ناکس مسلمان پر فرض عین ہے، اور دو اصحاب استطاعت کے ساتھ خاص ہے، نطق بالشہادۃ، اقامۃ الصلوٰۃ اور صوم رمضان یہ عام ہیں، زکوٰۃ اور حج صرف اغنیاء کے اوپر فرض عین ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان میں فرق ہے یا نہیں؟ تو حقیقت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، البتہ ایمان کا اطلاق عام طور پر تصدیق قلب اور احوال باطنی پر ایمان ہوتا ہے اور اسلام کا اطلاق عموماً ظاہری اطاعت اور عمل بالجوارح پر ہوتا ہے، خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ''تصدیق قلبی جب پھوٹ کر جوارح پر نمودار ہوجائے تو اس کا نام اسلام ہے اور اسلام جب دل میں اتر جائے تو ایمان کے نام سے موسوم ہوجاتا ہے'' اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اور ایمان کی ایک ہی حقیقت ہے، لیکن اختلاف مواطن سے اس کے نام مختلف ہوگئے اور اگر ایمان صرف قلب ہی میں ہو اور اسلام محض اعضاء پر نمایاں ہو تو یہ مغائر حقیقتیں ہیں، اب ان میں اتحاد نہ ہوگا۔

(فیض الباری: صفحہ ۶۹ / بحوالہ اسلامی عقیدے: صفحہ ۱۵۶-۱۵۷)

بہر حال ارکان ایمان کے اور ارکان اسلام دونوں میں سے کسی ایک رکن کا بھی انکار موجب کفر ہوتا ہے، البتہ انکار کی دو صورتیں ہیں: ایک زبان سے صراحتاً اور ایک عمل نہ کر کے، یہ بھی انکار کی صورت ہے، مگر اس پر صریح کفر کا حکم نہیں لگایا جاتا، البتہ اگر بندہ استمرار کے ساتھ کسی فریضہ میں کوتاہی کرتا رہے اور اسی حالت میں موت واقع ہوجائے تو ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، لہٰذا ایمان کی تجدید کے لیے بار بار کلمۂ شہادت "اشهد ان لااله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله" اور ایمان مفصل "امنت بالله و ملائكته و كتبه و رسوله و اليوم الآخر والقدر خيره و شره من الله تعالىٰ و البعث بعد الموت" وغیرہ کا ورد کرتے رہنا چاہئے، اسی طرح "رضيت بالله ربا و بالاسلام دينا و بمحمد نبيا و رسولاً" کو بھی وقتاً فوقتاً پڑھتے رہنا چاہیے اور اسلام کو بچانے کے لیے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کا خوب اہتمام کرنا چاہیے، خاص طور پر نماز کو تو کسی بھی صورت میں نہیں چھوڑنا چاہیے، نماز کے خاطر جان و مال، عزت کسی کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ مؤمن کے لیے سب سے بڑی پونجی ایمان ہے، جو اسے اس کی جان و عزت وآبرو سب سے زیادہ محبوب ہونی چاہیے۔

ترک صلوٰۃ اور قرآن:

ترک صلوٰۃ اکبر الکبائر میں سے ہے کیوں کہ قرآن وحدیث میں اس کی انتہائی تاکیدیں واقع ہوئی ہیں، اللہ کا ارشاد ہے: "يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ" جس دن (یعنی قیامت کے دن) ساق سے پردہ اٹھایا جائے گا اور لوگوں (اللہ) کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا جائے تو (مجرمین) سجدہ نہ کرسکیں گے۔ (سورۂ قلم: ۴۲)

ابن القیمؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ نماز نہ پڑھنے والوں کا شمار قیامت کے دن مجرمین میں ہوگا، اور قرآن کی اصطلاح میں مجرمین کا اطلاق کفار پر ہوتا ہے، اور وہ اللہ کے سامنے

باوجود ہزار کوششوں کے سجدہ ریز نہ ہوسکیں گے گویا ترک صلوٰۃ کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ (کتاب الصلوٰۃ:صفحہ ۳۴)

ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہے: ”كُلُّ نَفْسٍم بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَة، اِلَّا اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَائَلُوْنَ،عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ، مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ، قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ“ ہر شخص اپنے کرتوت کی وجہ سے گروی رکھا ہوا ہے، سوائے داہنے ہاتھ والوں کے، جنت میں وہ گنہگاروں کا حال دریافت کریں گے کہ تم کو کون سی چیز نے جہنم میں پہنچایا تو کہیں گے، ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔

معلوم ہوا کہ جہنم میں انسان کو سب سے زیادہ جس چیز کے دنیا میں نہ کرنے کا افسوس ہوگا وہ نماز کے نہ پڑھنے کا، اسی لیے وہ کہے گا، جہنم میں آنے کی منجملہ اسباب کے ایک نماز کا ترک ہے، اور وہ اس کو مقدم رکھے گا، لہٰذا اے لوگو! آؤ نماز کا اہتمام کرتے ہیں، قبل اس کے کہ ہمیں جہنم میں جانے کے بعد اس پر افسوس کرنا پڑے، جہاں افسوس بے سود ہوگا، لہٰذا موقعہ ہے اس کو غنیمت جانیئے اور آج سے پختہ عہد اور عزم مصمم کر لیجیے کہ انشاءاللہ نماز ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔

ایک مقام پر ارشاد خداوندی ہے: ”فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوْا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُ الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِيْ الدِّيْنِ“ (التوبہ:۱۱) پس اگر وہ لوگ توبہ کریں اور نماز قائم کرنے لگیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں، صاحب اضواء البیان علامہ سنقیطیؒ فرماتے ہیں کہ توبہ کے ساتھ نماز پڑھنے کو لازم قرار دیا ہے، لہٰذا اگر کوئی نماز نہ پڑھے تو دینی بھائی ہی نہیں، گویا کافر ہوگیا، عمداً تغافلاً تساہلاً نماز ترک کرنا گویا باعث کفر ہے۔ (اضواء البیان:۴/۳۱۱)

ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ کافر تو نہ ہوگا البتہ کفر کے قریب پہنچ جائے گا، اور ہوسکتا ہے کہ موت سے پہلے پہلے قضا اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں بغیر ایمان کے رخصت ہو جائے، اور کل قیامت کے دن اس بے نمازی کا کفار کے ساتھ حشر ہو، ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہے: ”فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوْا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوْا الشَّهٰوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا“۔ (سورۃ المریم:۵۹)

اَلْغَيُّ: جہنم کی ایک وادی ہے جو خاص طور پر ان کے لیے بنائی گئی ہے جو عمداً نماز کو ترک کرتے ہیں، صاحب تعظیم قدر الصلوٰۃ فرماتے ہیں: ”الامن تاب و امن و عمل صالحًا“ کہا تو معلوم ہوا کہ عمداً نماز کو ترک کرنے والا کافر ہو جاتا ہے، کیوں کہ توبہ اور ایمان کے ساتھ ہی عمل صالح کی بھی شرط لگائی گئی ہے ہم کہتے ہیں کہ کافر تو نہ ہوگا مگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا، اسے توبہ بھی کرنی ہوگی اور آئندہ اس پر مداومت بھی۔ (تعظیم قدر الصلوٰۃ:۱۱۹)

ایک جگہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے: ”فَلا صَدَّقَ وَ لا صَلّٰى“ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نے اس آیت میں ایمان کی دو ضدیں بیان کی: ایک نبی کی تصدیق نہ کرنا اور دوسرے نماز نہ پڑھنا، گویا عمداً نماز کو ترک کرنا کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ (کتاب الصلوٰۃ:۳۸)

”وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلائِكَةِ اسْجُدُوْا لآدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِيْسَ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ“۔ (بقرہ:۳۴)

امام اسحاق ابن راہویہ فرماتے ہیں کہ جب ابلیس کو ایک سجدے کا حکم ہوا تو انکار پر اور سجدہ نہ کرنے پر کافر قرار دیا گیا، تو جو شخص دن رات میں متعدد (فرائض و واجب نمازوں کے تقریباً چالیس اور سنن مؤکدہ کے چوبیس یعنی کل ۶۴) سجدے ترک کرے، اس کے بارے میں بھی کفر کے علاوہ اور کونسا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ (التمہید:۴/۲۲۶)

ذرا غور کیجئے! ہم مؤذن کے بار بار بلانے اور اللہ کے بار بار ”اقیموا الصلوٰۃ“ کہنے کے باوجود بھی نماز ادا نہ کریں، ایک ایک دن میں ۶۴، ۶۴ سجدے کرنے سے انکار کر دیں تو کل ہمارا کیا حشر ہوگا؟ یاد رکھو! قیامت کے دن سب سے پہلے نماز ہی کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

ایک مقام پر اللہ کا ارشاد ہے: ”وَ اَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ“۔ (روم:۳۱)

علامہ ابن نصر فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک کی

علامت نماز کو چھوڑ نا ہے۔

"فویل للمصلین" کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت سعد ابن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ جب وقت پر نماز ادا نہ کرنے کی صورت میں ہلاکت کی بددعا دی جارہی ہے تو چھوڑنے کی صورت میں تو کفر کے سوا اور کیا ہوگا؟ تو معلوم ہوا کہ نماز کو اس کے وقت پر جماعت کے ساتھ پڑھنے کا مکمل اہتمام کرنا فرض اور واجب ہے، مگر افسوس عصر حاضر کے مسلمانوں پر کہ انہوں نے مادیت کے پیچھے دین کو اور دین کے اہم ستون نماز کو بھی خیر آباد کہہ دیا، میرے دوستوں نماز چھوڑ کر ہم نہ دنیا میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور نہ آخرت میں سرخ رو ہو سکتے ہیں، ہماری دارین کی کامیابی کا مدار ہی نماز ہے، کوئی کچھ بھی کہے میرے خیال میں ہماری ذلت ونکبت اور تنزلی کا سبب رئیسی اجتماعیت کا نماز سے تغافل اور تساہل ہے۔

ترک صلوۃ اور احادیث:

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایمان اور کفر کے درمیان حد فاصل نماز ہے۔(مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ جو نماز کا اہتمام نہیں کرے گا اس کا حشر کل قیامت کے دن ہامان، فرعون اور ابی ابن خلف کے ساتھ ہوگا۔(احمد، دارمی) یعنی جس طرح رؤساء کفار کو سخت سزا ہوگی اسی طرح نماز ترک کرنے والے رؤساء عصبات ٹھہرے، لہٰذا انہیں بھی سخت سزا ہوگی، یعنی مسلمانوں میں سب سے زیادہ سخت سزا نماز ترک کرنے والوں کو ہوگی۔

ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ فرماتے ہیں: ''اگر ہم اپنے ایمان اور اسلام کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور دنیا وآخرت کے خسران سے بچنا چاہتے ہیں تو جو طریقہ اللہ تعالی نے اپنی رحمت کاملہ سے ہمارے دین کی حفاظت کے لیے بنادیا ہے اور اسے ہمارے لیے قوی و مستحکم قلع بنادیا ہے، اس کو عمل میں لاؤ اور وہ نماز ہے''۔

نماز دین کا ستون ہے، نماز ہی ایسی چیز ہے جس میں اللہ تعالی نے ایسی قوت رکھی ہے کہ جس سے تقاضائے ایمانی پیدا ہوتے ہیں اور شرف انسانیت کا شعور پیدا ہوتا ہے، مگر ہم لوگوں نے اسے روزمرہ کا ایک معمول سمجھ لیا ہے اور اس کی کوئی قدر اور اہمیت ہمارے اندر نہیں اور یہ ہماری بڑی محرومی ہے۔

نماز کی اہمیت کا انداز اس سے بھی ہوتا ہے کہ وصال کے وقت آخری وصیت جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لیے فرمائی تھی، وہ یہ ہے:"الصلوۃ الصلوۃ وما ملکت ایمانکم" یعنی نماز کی پابندی کرو اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھو، یہ بات دو مرتبہ ارشاد فرمائی اسی سے نماز کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ آخری وقت بھی نماز ہی کی تاکید فرمارہے ہیں، معلوم ہوا کہ ہمارا ایمان صلوۃ ہی کی پابندی سے محفوظ ہے، اس کی بڑی قدر کرو۔

نماز ترک کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ اللہ جل شانہٗ کی حکم عدولی ہے کہ دنیا میں بھی اسی کا وبال بھگتنا پڑتا ہے اور آخرت میں بھی اس کی بڑی سنگین سزا ہے، اپنے وقت کا انضباط کرلو انشاءاللہ اس سے بڑی برکت ہوتی ہے اور سب ضروری کام آسان ہوجاتے ہیں، اور دل میں سکون رہتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نماز سے زیادہ اہم ایمان کے بعد کوئی چیز نہیں مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہماری مسجدیں ویران ہیں، امت کا ایک فیصد طبقہ بھی نمازی نہیں، جب ہم نے نماز جیسی اتنی بڑی عبادت ہی کو جو ایمان کا ستون ہے ترک کردیا تو ہم سے بڑا کون مجرم ہوسکتا ہے، حالاں کہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام مالک، امام ابن قیم جوزی، امام عبداللہ ابن المبارک، امام اسحٰق ابن راہویہ، امام ابن تیمیہ، امام ابن منصور (رحمہم اللہ) کی تحقیق کی مطابق علماء متقدمین کی اکثر اور مؤخرین کی بڑی تعداد جان بوجھ کر اور سستی کی وجہ سے فرض نماز کے ترک کرنے والے کو کافر اور مرتد قرار دیتے ہیں، اگر توبہ کریں تو ٹھیک ورنہ اسے سزا میں قتل کردینے کو لازم قرار دیتے ہیں، البتہ امام ابوحنیفہؒ اور اصحابِ رائے، امام سفیان ثوری، امام مزنی وغیرہ اسے کافر

اور واجب القتل نہیں قرار دیتے ہیں، مگر یہ لوگ اسے سخت سزا دینے کے قائل ہیں، علامہ سنقیطی فرماتے ہیں: عمداً تساہلاً وتغافلاً نماز کو ترک کرنے والا کفر اصغر کا شکار ہوجاتا ہے، یعنی کفر کے قریب قریب پہنچ جاتا ہے۔ (حکم تارک الصلوۃ:۲۱)

بے نمازی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدنصیب کہا ہے، حدیث میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا بدنصیب کون ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ نے تین مرتبہ کہا اور پھر فرمایا بدنصیب بے نمازی ہے، کیوں کہ اس کو دنیا اور آخرت سے کوئی حصہ نہیں۔ (قرۃ العیون)

اے مسلمانو! نماز کا مکمل اہتمام آج ہی سے شروع کردیجئے، اپنے پچھلے گناہوں پر توبہ کیجئے، آج ہی قضا نمازوں کا اندازہ لگا کر پڑھنا شروع کردیجئے، اپنے متعلقین ومتوسلین کو بھی نماز پر آمادہ کیجئے، رب کعبہ کی قسم اگر ہم سب مل کر آج یہ عہد کریں گے کہ تو اپنی مسجدوں کو آباد کردیں گے، خشوع وخضوع اور پورے اہتمام کے ساتھ نماز باجماعت کا آغاز کردیں گے، تو ہمارے معاشرے کی دیگر چھوٹی بڑی برائیاں خود بخود ختم ہونا شروع ہوجائے گی، کیونکہ قرآن کا اعلان ہے: ''اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَاءِ وَ الۡمُنۡکَرِ'' نماز بے حیائیوں اور برائیوں سے روکتی ہے۔ (عنکبوت:۴۵)

عزیزو! ایک نماز کو درستگی سے پڑھنا شروع کردیجئے، دنیا وآخرت کی کامیابیاں قدم بوسی کریں گی، ذلت ونکبت چھٹ جائے گی، سربلندی وعزت میسر ہوجائے گی، اللہ اور اس کے رسول راضی ہو جائیں گے، جو سب سے بڑی کامیابی ہے، اے اللہ! تو ہمیں خشوع و خضوع کے ساتھ نماز کا اہتمام کرنے کی توفیق عطا فرما اور ایسی نماز پڑھنے کی توفیق دے جس سے تو راضی ہوجائے اور اس کی برکت سے جنت کو ہمارے لیے مقدر کردے اور جہنم کو ہم پر حرام کردے۔

❁❁❁❁❁

﴿بقیہ......صفحہ ۳۱ کا﴾ اور باقی رہتا ہے اس لیے کہ وہی زندگی کا مستحق ہے، کمزور مرتا ہے، کیونکہ وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے جینے کا مستحق نہیں'' استعمار نے اپنے زیر اقتدار سبھی ملکوں میں اسی سیاست اور پالیسی کو نافذ کیا ہے، ان کے مفکرین، مصنفین اور ادباء نے پورے زور کے ساتھ کہا ہے کہ سفید فام قوموں کے علاوہ دوسری قومیں سفید فام شرفا اور سرداروں کی خدمت کے علاوہ کسی دوسری شرافت کے مستحق ہی نہیں ہیں۔

اس فلسفے او رنظریے کی وجہ سے وہ سبھی بلند اخلاق، اصول اور قدریں ختم ہوگئیں جن کی دعوت تمام ادیان نے دی ہے اور اسلام نے بھی دی ہے اور اس شعار کو انصاف پسند حکومتوں نے پوری تاریخ میں بلند کیا ہے۔

مارکس کا فلسفۂ کشمکش:

کارل مارکس نے کشمکش کے فلسفے سے تجاوز تو نہیں کیا ہے البتہ اس کو ''مادی مفادات کے لیے طبقاتی کشمکش'' میں منحصر کردیا ہے، کشمکش میں تیزی اور بہتے خون کی زیادتی کے اعتبار سے انقلاب میں گہرائی آتی ہے اور اس کی انسانی اہمیت میں اضافہ ہوتا ہے، یہی اس مغربی تہذیبی فلسفے کے اہم اور بنیادی منصوبے ہیں، جن کو یورپین مشنری اپنے ساتھ ہمارے ملکوں پر مغربی فوجوں کی بالادستی کے دن ہی سے لے آئی ہے۔

❁❁❁❁❁

گزارش

ماہنامہ نقوش اسلام ایک دینی، دعوتی، تاریخی، معلوماتی، ادبی اور اصلاحی رسالہ ہے، اسے خود بھی پڑھئے اور اپنے زیادہ سے زیادہ احباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے، اس کی سال بھر کی ممبری فیس صرف ۱۰۰/روپیہ ہے۔

یادرفتگاں

قلب وجگر فگار ہیں کیا سانحہ ہوا

الحاج منشی عبدالغفور ناظم مدرسہ انوارالقرآن نعمت پور، سہارنپور

میری مخلص ووفا شعار رفیقۂ حیات جن کا نام نامی اسم گرامی بھی میرے ہی نام پر تھا، یوں تو عمر بھر بہت سارے جسمانی عوارض وحوادث سے نبرد آزما رہی؛ لیکن اس بار طویل علالت کے بعد بعمر ستر سال ۸/اگست ۲۰۰۹ء مطابق ۱۶/شعبان ۱۴۳۰ھ بروز سنیچر کو ایک بجے دن میں داعی اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

میرا ان کا ساتھ دو چار برس کا نہیں بلکہ نصف صدی کا قصہ ہے، اتنے طویل عرصہ میں مرحومہ کی مثالی خدمت پرمسرت، رفاقت کا بے حد رہین منت ہوں، اس جان لیوا سانحۂ ارتحال نے میری آنکھیں خیرہ، دل بے چین اور عقل کو حیران کر دیا۔

ہم تو غم فراق میں بس اس کے ہو لیے
دامن میں منہ چھپا لیے چپکے سے رو لیے

گھر میں کافی عسرت وتنگی رہی لیکن زباں پر نہ کوئی شکوی نہ فریاد رہی، بس راضی برضائے الٰہی رہیں، ان کی وفات کا سانحہ میرے لیے جاں گسل تو ہے ہی سوہان روح اور شدید کرب کا موجب بھی بنا ہوا ہے میرا دل ودماغ اس حادثۂ جانکاہ کو برداشت کرنے کا متحمل نہیں تھا، لیکن چونکہ دنیا اور اس کی ہر چیز فانی ہے، اس لیے قضائے الٰہی کے سامنے کسی کو چارہ کار نہیں ”کل نفس ذائقة الموت“ کے تحت موت ہاتھ جھٹک کر لاکھوں منتوں سماجتوں کے باوجود مکان جسم کو خالی اور سنسان کر جاتی ہے۔

مرحومہ صبر ورضاء کی پیکر، عبادت گزار، تقوی طہارت اور زہد وقناعت کی خوگر تھیں، دینی مزاج وماحول سے بہر طور مملو تھیں، جس کا اثر یوں بھی عیاں ہوا کہ اس نیک سیرت خاتون نے اپنے بچوں کی اچھی دینی مشفقانہ تربیت کی، صلح کل صلح جو ہونا، آڑے وقت ضرورتمندوں کے کام آنا، دوسروں کے آرام وراحت کی فکر رکھنا، سراپا اخلاص ووفا کا پیکر ہونا جیسی بہت سی خوبیاں ان کی فطرت میں منجانب اللہ ودیعت تھیں یہی اس نیک سیرت خاتون کا طرۂ امتیاز تھا کہ

ہے کام آدمی کا اوروں کے کام آنا

عبادات میں فرائض وواجبات سنن ونوافل مستحبات نیز اوراد ووظائف، صحت ہو یا علالت، سفر ہو یا حضر، ہر حال میں ہر جگہ بروقت ادا کرنے میں بڑی مستعد تھیں، نمازوں کو بڑے اہتمام سے ادا کرتیں، سردی ہو یا گرمی، اجالا ہو یا اندھیرا، آندھی ہو یا بارش کچھ بھی ہو بعد نماز مغرب اوابین، اشراق وچاشت، جمعہ کو سورۂ کہف صلوۃ التسبیح بعد نماز عصر درود پاک پڑھنا اپنے لیے لازم سمجھتی تھیں، سحر خیزی کی پختہ عادت تھی، اس میں تہجد پڑھنا معمول تھا، وہ قرآن کریم ناظرہ اور پارۂ عم حفظ پڑھی ہوئی تھیں، سورۂ یٰسین، پنجسورہ اور منزل وغیرہ کے ساتھ ایک پارہ کی یومیہ تلاوت کرلیا کرتی تھیں، رمضان کا اعتکاف کرتیں، بدھ کے روز ہمارے گھر میں مستورات کا اجتماع ہوتا ہے اس میں اول وقت آکر بیٹھتی باوجود جسمانی کمزوری اور بیماری کے دعا تک شریک رہتیں، سنتوں پر عمل کرنے کی کوشش کرتیں، ایک بار حج بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہو چکی تھیں، دوسری مرتبہ کی تمنائے بسیار ساتھ لے کر گئیں، بیعت وارشاد کا تعلق سراج الاولیاء حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسارپوری سے تھا، حضرت والا سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتی

تھی، حضرت کے تلقین کردہ معمولات کو بڑی پابندی سے پورا کرتی، علم وعلماء کی ہمیشہ قدرداں رہی، اسی دینی فکر ونظر اور اکابر علماء صلحاء سے گہرے ربط وتعلق کا نتیجہ تھا کہ مرحومہ بیکار باتوں سے ہمیشہ مجتنب رہی، اپنی اولاد کو علم وعمل کا حامل بنایا، الغرض یہ کہ مرحومہ بہت سی خوبیوں سے متصف پاکباز خاتون تھیں۔

ماشاءاللہ وہ نہایت خوش بخت، خوش گفتار، خوش انتظام، راست گو، صبر وتحمل معاملہ فہمی اور قوت فیصلہ جیسی صفات سے بھی متصف تھیں، دینی امور میں فکر ونظر رکھنے اور حصہ لینے والی ہمیشہ رہی ہیں اور وں کی خیر خواہی، غمخواری، صلہ رحمی میں نہایت فراخ دل واقع ہوئی تھیں، اپنے لیے بڑی خود دار، غیور وغیر تمند تھیں، مرحومہ نے اپنے بلند اخلاق نیز اپنی خوش کلامی، سلیقہ مندی، خدمت گزاری، کفایت شعاری جیسے اوصاف کے باعث خاندان کے افراد کے دلوں میں اپنا ایک مقام ومرتبہ بنا رکھا تھا، اس لیے وہ تاحیات پورے خاندان کی سرپرست وسربراہ رہی ہیں، ان کی ممتا پریم وپیار کا بہتا ہوا دریا تھیں، جنھوں نے خاندان کے ہر خرد وکلاں کو ایک سعید ماں کا پیار دیا، اس لیے ان کی وفات ایک بڑا خاندانی حادثہ ہے۔

شوہر تو نااہل اور ناکارہ ملا، البتہ ان کی اولاد پوتوں اور نواسوں میں پندرہ حفاظ وقراء علماء ہیں، باکمال، پاک طینت، نیک نہاد، نیک نام ہونے کے ساتھ ساتھ شرافت ذاتی میں اپنی مثال آپ تھیں۔

یگانوں اور بیگانوں سب کے ساتھ خوش گوار مراسم رکھتی تھیں کسی کی ناشائستہ حرکات پر دیر تک ناخوش رہنا ان کی فطرت کے خلاف تھا، عفو درگزر کو قریب ترین رکھتی، بسرعت پیار ومروت کا برتاؤ عمل میں لے آتیں، میری دانست میں کبھی کسی پر احسان جتانا اور خفا ہونا نہیں ہے، باہمی مفاہمت کرنے کرانے میں مہارت تامہ حاصل تھی، جو بھی دعا کے لیے عرض کرتا جامع الفاظ وشائستہ کلمات سے ڈھیروں دعائیں دیتیں، ضرورتمندوں کو ہمیشہ ہمدردانہ خیر خواہانہ مشورہ دیا کرتی تھیں، چونکہ میرے ساتھ انتہائی حسن سلوک اور اچھے اسلوب سے ۵۳ رسال بیتے ہیں، اس لیے مرحومہ کی جدائی کا غم وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔

بھلاتا ہو پھر بھی وہ یاد آ رہی ہے
میں کیا چاہتا ہوں وہی چاہتی ہے

وہ اچھی مشیر اور صلح کار تھیں، ان کی رائے اور تجویز ہمیشہ صائب رہتی، بہت سی خواتین اپنے خوانگی مسائل میں ان سے مشورہ لیتی، سب کو مفید وکارآمد مصالح سے بہرہ ور کرتی، دلاسہ دے کر حوصلہ بڑھاتی، جہاں جاتیں خوب عزت وتوقیر اور پزیرائی ہوتی اپنوں اور غیروں میں بھی محترم تھیں، اولاد کی اصلاح تعلیم وتربیت کی فکر ہمہ وقت دامن گیر رہتی، گہری حکمت ودانائی گرمی نرمی اور سختی کو بروئے کار لاکر عمر بھر تربیت کرتی رہیں، یہ فیض ہے مرحومہ کی تربیت ودانشمندی کا کہ سب کے دامن گوہر علم وعمل اور فضل وکمال کے نور سے پرنور ہیں جو ظاہر وباہر ہے، اپنے تینوں بیٹوں اور تینوں بیٹیوں کی شادی بیاہ کے تمام مراحل بحسن خوبی خود ہی نبھائے، سب کے رشتے دیندارانہ گھرانوں میں کرائے، ان کے بڑے صاحبزادے مولانا ریاض احمد مظاہری، منجھلے قاری محمد عارف قاسمی، چھوٹے مفتی زبیر احمد رشیدی ہیں جو خدمت دین اور اشاعت اسلام میں لگے ہوئے ہیں، تین صاحبزادیاں رضیہ خاتون، فریدہ بانو، فرزانہ ضمیر ہیں سبھی اچھے کردار کی حامل ہیں۔

مرحومہ نے بے انتہا نفاست پسند طبیعت پائی تھی اس لیے صفائی ستھرائی کی بے حد دلدادہ تھیں، صفائی گھر بار کی ہو، لباس وپوشاک کی ہو برتنوں در ودیوار کی ہو ہر وقت صاف ستھرا دیکھنا چاہتی تھیں۔

وہ دو سال مہلک مرض فالج میں مبتلا رہیں اسی اثناء میں پھسل کر گر جانے سے کولہے کی ہڈی کریک ہوگئی، تقریباً پانچ ماہ اسی حال میں صاحب فراش رہیں، علاج ومعالجہ، خدمت وتیمارداری کا حق گھر کے ہر چھوٹے بڑے فرد نے کما حقہ ادا کیا، مرحومہ کے تربیت یافتہ فرزندوں نے زر کثیر ہی نہیں اپنے قیمتی اوقات لگا کر بھی انتہا درجہ کی خدمت وچارہ جوئی میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مدرسہ ''انوار القرآن'' نعمت پور کی تعمیر

وتنظیم میں اس معنی کر مرحومہ کا بھی حصہ ہے کہ مرحومہ نے مجھے ۵۳ر سال کے عرصہ میں کبھی بھی گھریلو ضروریات اور خانگی معاملات میں اپنی بے لوث رفاقت کی بدولت فکر مند نہیں ہونے دیا، یکسو ہوکر راقم نے ''انوارالقرآن'' کی جملہ خدمات ستائش کی تمنا اور صلہ کی پرواسے بے نیاز ہوکر ۵۶ر سال اپنا سب کچھ لگا کر شب و روز منہمک رہ کر انجام دیں اس پر بھی ذاتی مکان آج تک نہ بنا سکا کچھ یوں ہی گزر بسر ہوتی رہی لیکن اس بندی خدا نے کبھی کوئی شکوہ شکایت نہ کیا، میری دکھ سکھ تنگی ترشی کی ہمراز وہمباز، دمساز وفرمانبردار شریک حیات تھیں، آلام ومصائب میں بھی میرا حق رفاقت خوب نبھایا، مایوس کن حالات میں بھی میری راحت رساں رہی؛ کیونکہ سادہ مزاج تھیں، اس لیے کبھی اچھی غذا کھانے پہننے استعمالی اشیاء کی خواہش وتمنا کا اظہار تک نہیں کیا، جب کہ وہ بڑے خوشحال گھرانے کی خاتون تھیں، میرے یہاں بھی عمر بھر صاحب عزووقار رہی، گھر کے مالی حالات کے پیش نظر اپنا رہن سہن بکفایت وسادہ رکھا، گھر میں اشیائے ضروریہ کی کمی بیشی کی شکایت تو کجا شکر ربی ہی زبان پر ہر دم رہتا، مجھے ان کے چہرے سے کبھی کوئی پریشانی یا کسی طرح کے شکوے شکایت کی جھلک تک نظر نہیں آئی، گھر کی ضروریات کی تکمیل کے لیے اجرت پر کپڑوں کی سلائی کی، آشرم کا سوت تک کاتا۔

مختصر یہ کہ جس طور پر بھی بن پڑا میرا تعاون کیا، ہمہ جہت میری مددومعاون رہی، چونکہ گھر کے آمدوخرچ کی پتوار انھیں کے مستحکم ہاتھوں میں رہی ہے، اس لیے سخت محنت ومشقت سے کبھی گریز نہیں کیا، وہ بڑی باہنر، ذی شعور، حوصلہ مند، نہایت نیک اور پاکباز خاتون تھیں، گھر میں کوئی چیز مجھ سے پوشیدہ نہیں رکھی، نہ ہی کوئی پونجی الگ سے جمع کی، صاف باطن، صاف گو، امانت ودیانت، حرام وحلال کی بڑی تمیز رکھنے والی، غربا نواز، اصول پسند اور استقامت کی پہاڑ گویا یقین محکم عمل پیہم کی مجسمہ تصویر تھی، حرص وطمع سے ہمیشہ کوسوں دور رہی، مرحومہ اس طرح کی انفرادی خصوصیات کے سبب عجیب امتیازی شان کی مالک تھی، اس کی محبتیں، رعایتیں، صحبتیں برابر تڑپا رہی ہیں مگر اب وہ نور سے معمور قبر میں ہے، اور ہائے میری یہ دنیا کیسی بدل گئی کہ بے حد افسردہ خاطر ہوں چونکہ مرحومہ میری حیات بے ثبات کی آبرومندی کا حاصل تھی، کیا موت ہوئی ہائے کہ آنسو نہیں رکتے اور بس ؎

غم نے اس درجہ کیا دل میں ہجوم
جاں نہیں ہے خرمی کے واسطے

خوش آئند بات یہ ہے کہ وصال اللہ اللہ کے ورد پر ہوا، تجہیز وتکفین اور غسل کے بعد آپ کا چہرۂ مصفا پوری آب وتاب سے ایسا درخشاں اور نورانی لگ رہا تھا جیسے آپ متبسم ہوں، نماز جنازہ اور تدفین اسی روز بعد نماز مغرب ہوئی، نماز جنازہ مرنیوالی کے سعادتمند فرزند ارجمند عزیزم مولوی ریاض احمد مظاہری نے پڑھائی، نماز جنازہ میں نمازیوں کا ایک بڑا ہجوم تھا، جس میں نامور صحافی، امت کے اکابر علماء صلحاء، صاحب نسبت حضرات، سیاسی اور سماجی، احباب مدارس کے نظماء اساتذہ اور طلبائے کرام کی ایک کثیر تعداد موجود تھی، تدفین بستی کے بڑے قبرستان بنام حضرت امام علی شاہ میں ہوئی، حق تعالی شانہ مرحومہ کی بشری لغزشوں کو درگزر فرما کر بال بال مغفرت کے فیصلے فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلی سے اعلی مقام عطا فرمائے، اور ہم سب لواحقین کے غمزدہ دلوں پر صبر جمیل کا القاء فرمائے، آمین ثم آمین۔

ہو منور قبر تیری روح کو آئے قرار
مغفرت ہو اور جنت کے مزے ہوں بے شمار

❁❁❁❁

اقوال زریں

علوم بہت ہیں اور انسانی عمر تھوڑی ہے، اس لئے تمام علوم کا سیکھنا انسان پر فرض نہیں، البتہ اس حد علم ضروری ہے جس سے عمل درست ہو جائے۔(حضرت داتا گنج بخشؒ)

حریص آدمی ساری دنیا لے کر بھوکا ہے اور قانع ایک روٹی سے بھی پیٹ بھر سکتا ہے۔(حضرت شیخ سعدیؒ)

احتساب

مسلم معاشرہ تہذیب جدید کا دلدادہ کیوں؟

مولانا محمد ریاض کھجناوری، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

آج ہر طرف مغربیت کا دور دورہ ہے، ہر جانب مسموم مغربی ذہنیت کے آثار نظر آرہے ہیں جس کے جال میں پوری دنیا کا مسلمان ایسی بری طرح پھنس چکا ہے، جس سے نکلنے کا فی الحال کوئی امکان نظر نہیں آتا ہے، خاص طور پر ہمارے مسلم معاشرہ میں مغربیت کی جونئی چھاپ نظر آرہی ہے، وہ حد درجہ افسوسناک اور عبرتناک ہے، ہر کوئی مغربیت کا دلدادہ، اس کی تہذیب وتمدن کا عاشق اور اس کے طرز فکر کا حامل بن چکا ہے، اس کی زندگی مغربیت کی عطا کردہ سانچے میں ڈھل چکی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج اس کی سوچ، اس کا انداز، رہن سہن، پہننا اوڑھنا، کھانا پینا اور چلنا پھرنا سب پر مغربیت کا غلبہ صاف طور پر عیاں ہے، آج وہ اس مغربیت کے طریقے کو اپنائے ہوئے ہیں جس کا مقصد ومشن صرف اور صرف انسانوں کو خصوصاً مسلمانوں کو ذہنی غلامی میں گرفتار کرنا ہے۔

اس ہنگامہ خیز حالات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ اس کی لپیٹ میں آج صرف غیر مسلم ہی نہیں بلکہ اس کی مضبوط گرفت میں وہ طبقہ اور وہ گروہ بھی آچکا ہے جو اپنے آپ کو ایمان اور اعلی کردار کا حامل سمجھتا ہے اور دنیا میں اس کے کردار کے نغمے گائے جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جن کا مقصد دوسروں اور غیروں کو متأثر کرنا تھا اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستہ دکھانا تھا وہ خود ہی ان سے متأثر نظر آرہے ہیں اور اپنا راستہ بھول کر دوسروں سے راستہ پوچھنے پر مجبور ہیں، حالانکہ اگر وہ چاہتے تو پوری انسانیت کا رخ بدل سکتے ہیں، جس سے انسانی زندگی کے معمولات میں تبدیلی واقع ہوسکتی تھی اور عالمی طور پر ایک ایسا صالح انقلاب آسکتا تھا جس کا انتظار پوری انسانیت کررہی ہے اور وہ اپنے مذہبی دستور ومعاشرت سے تنگ آکر ایک ایسی روشنی کی تلاش میں سرگرداں ہیں جس کے سہارے وہ کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں، لیکن آج کا حال اتنا بدتر ہو چکا ہے کہ آج کل ایسے ایسے جدید فیشن پرست سامنے آرہے ہیں کہ جن کو دیکھ کر یہ محسوس ہورہا ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ کوئی غیر لوگ سامنے سے گزر رہے ہیں، جن پر مغربیت کا غلبہ صاف طور پر عیاں ہے؛ لیکن کامیابی کی اس منزل تک ان کو پہنچانے والا کون ہے، بھلا یہ اصل کام کون کرے اور یہ تمام مرحلے، تمام انقلاب کی کہانیاں اور تبدیلیاں لانے کے عزم مصمم کیسے پورے ہوں، جب کہ قوم وملت کا رہبر اور راستہ کی صحیح سمت بتانے والا ہی اس منزل سے دور جا چکا ہے، غرضیکہ امت مسلمہ کے حالات پر افسوس آتا ہے، ندامت وشرمندگی احساس دلاتا ہے، امت محمدیہ اپنے مقصد کو فراموش کرچکی ہے، جس کی وجہ سے اسے کوئی کامیابی نظر نہیں آتی، حالانکہ ان کے لیے ”لقد کان لکم فی رسول الله اسوۃ حسنۃ“ کا پیغام موجود ہے، اس کے باوجود وہ بھٹکے ہوئے نظر آتے ہیں، قرآن کریم ان کی آنکھوں کے سامنے ہے لیکن ان کی آنکھیں بند ہیں، ان کا عمل قرآن کے مطابق نہیں، نبی کی سنتوں سے انہیں اعراض ہے، اپنے رہبر کامل کے بتائے ہوئے راستوں کو فراموش کرتا ہے، ان کے بتائے ہوئے طریقے کو اپنانے میں اپنی عار اور ذلت محسوس کرتا ہے، ان کے جانثار صحابہ کے کردار وسیرت کو بالائے طاق رکھ کر غیروں

کے طریقے کو اپنانے میں فخر محسوس کرتا ہے۔
آج کا مسلمان اپنے فرائض ومقاصد کو اس طرح بھول گیا ہے کہ اس کی یاد دہانی اس کے لیے جلدی سے مفید نہیں بن سکتی، جو راستہ اسے دکھا کر اور طریقہ سمجھا کر گئے تھے اس راستہ سے منہ موڑ کر خواب غفلت برتنے لگا ہے اور قرآن کی شکل میں جو روشن دلیل اس کو دے کر گئے تھے اس سے انحراف برتنے لگا ہے، ظاہری بات ہے کہ ایسی صورت میں اس کا سرعام ذلیل وخوار ہونا کیا بعید ہے، چنانچہ آج دنیا میں اس کے استحصال کے لیے مکروہ رویہ اختیار کیا جارہا ہے، اسے آج معاشرہ کا بدنی داغ بتلا کر اس سے پوری انسانیت کو دور رہنے کی تلقین کی جارہی ہے، اس کے حقوق کی پامالی کی جارہی ہے، اخباروں میں آج کل اسی کے نام کی منفی سرخیاں موجود ہیں کہ فلاں شہر میں بم دھما کہ، فلاں شہر میں ڈکیتی، فلاں شہر میں غارتگری، فلاں شہر میں راہ زنی، غرضیکہ اپنے اعمال وکردار کی بگڑتی صورتحال کے سبب آج مسلمان اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ کوئی بھی اس کے اوپر آسانی سے مسلط ہوسکتا ہے، جیسے اخبار کی سرخیاں بتلا رہی ہیں اور دن بدن مشاہدہ بھی ہورہا ہے کہ مسلمان اپنا وقار بالکل مجروح کر چکا ہے کیونکہ آج ان کے اخلاقی وگھریلو معاملات درست نہیں، بھائی بھائی کا دشمن بنا ہوا ہے، بیٹا باپ کا قتل کر کے اس کی جائیداد کا جلد از جلد وارث بننا چاہتا ہے، آج وہ جس شعبہ سے بھی تعلق رکھتا ہے، جس کی کھیتی میں بھی وہ کام کرتا ہے، وہاں اس کی تحقیر وتذلیل کی جاتی ہے، اسے گری ہوئی نظروں سے دیکھا جاتا ہے، ایسا کیوں ہے تو اس کا جواب یہ ہی ہوسکتا ہے کہ آج ہم نے اپنے نبی رحمت کی سنتوں سے منہ موڑا ہے، ان کے طریقے سے اعراض کیا ہے، ان کے اشعار کو اپنانے میں عار محسوس کی ہے اور قرآن کے اس اعلان ”ھذا صراط مستقیما“ کو بھول کر وہ طریقہ اپنایا ہے جس کو اسلام ناکامی کی علت قرار دیتا ہے، نتیجتاً گمراہوں کی دلدل میں پھنستے چلے جارہے ہیں اور اب تو حال اتنا خراب ہو چکا ہے کہ اس پر افسوس کا اظہار کرنے کے لیے الفاظ کی کمی ہوتی ہے لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ان حالات کا سنجیدگی اور باریکی سے جائزہ لینے کے بجائے خدا سے شکوہ کرتے ہیں، اپنی حالت کا ماتم کرتے ہیں، اپنی غربت وافلاس کا ڈھنڈورہ پیٹ پیٹ کر اپنے دوست واحباب کو اپنے کمزور حالات سے آگاہ کرتے ہیں، مگر اس وقت بھی یہ خیال نہیں آتا ہے کہ یہ تمام بگڑے حالات خود ان کے کرتوتوں کا نتیجہ اور ان کے دین سے منحرف ہونے کی سزا ہے، اس لیے ایسے لوگوں کو خدا سے شکوہ کرنے کے بجائے خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہئے۔

کون ہے تارک آئین رسول مختار
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعار اغیار
ہوگئی کس کی نگہ طرز سلف سے بیزار
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے حالات کا جائزہ لیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اب بھی مسلمان خواب غفلت سے بیدار ہوکر ہوش میں نہ آیا، اپنے نبی کی سنتوں کی ترویج نہ کی اور احکام خداوندی کو خدا کی زمین میں عام کر کے بندوں کو خدا سے قریب کرنے اور ان کی زندگی کو کارآمد بنانے کا طریقہ اختیار نہ کیا تو وہ نہ صرف ہمیشہ یونہی ستایا جاتا رہے گا، بلکہ یونہی پستی کے گھروں میں پڑا سسکتا رہے گا، لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ آج مسلمان اس پرفتن دور میں کھڑا ہو، اپنے نبی کی سنتوں کو پھیلائے، قرآن کریم کے احکام اس کے اوامر ونواہی کو لوگوں تک پہنچائے اور اس سوئی ہوئی امت کو بیدار کر کے باطل کے سامنے سینہ سپر ہوجائے، اگر آج مسلمان ایسا کر لیتا ہے تو وہ دن دور نہیں جب کامیابی اس کے قدم بوس ہوگی اور دین سے بھٹکی ہوئی انسایت کو ایسی رہنمائی ملے گی جو اسے کامیابی کے موڑ تک پہنچادے غرضیکہ موجودہ دور میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں بہت ہیں، اس لیے اسے چاہئے کہ وہ غفلت سے بیدار ہو، اس دین پر قائم رہے اور اپنی

پوری زندگی فکر انسانیت میں پریشان وسرگرداں رہے، سیرت کی کتابوں کے مطالعہ کا اہتمام بھی ہونا چاہئے، کبھی کبھی دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے قربانیاں دینی چاہئے اوراپنی زندگی کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے؛لیکن یہ جذبہ ہم میں تبھی پیدا ہوگا جب ہمارے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا پورا خاکہ ہو،ان کی زندگی کی پوری تاریخ ہماری نگاہوں کے سامنے ہو، پھر دیکھئے ہم اپنے امتحان میں کس طرح کامیابی حاصل کرتے ہیں،اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ ”لیبلوکم ایکم احسن عملاً“تم کوآزماتے ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ اس آزمائش میں کون پورا اترتا ہے، اس امتحان میں کون اعلی نمبرات سے کامیاب ہوتا ہے،اپنے مخصوص بندوں سے امتحان لینا توخدا تعالی کا دستور ہے، وہ اپنے بندوں کو بڑی باریکی سے آزماتا اور ان کوطرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا کرتا رہتا ہے اورمکمل کامیابی اسی کے ہاتھ میں آتی ہے جوخدا تعالی کے امتحان میں کامیاب ہومگر افسوس کہ مسلمان اس حقیقت کونہیں سمجھتا وہ ایسے حالات سے گھبراتا ہےاوران مسائل سےخوفزدہ ہوتا ہےجوان پربطورامتحان نازل ہوتے ہیں،گھبرانے کی اصل وجہ دین سےغفلت اوردوری ہےان کےاوپر سیاہ چادرتاندی ہےاوران کوایسے اندھیرے میں بھٹکنے پرمجبورکردیا ہے جن سےمحفوظ ہوجانا بھی ایک معجزہ ہوتا ہے، لیکن اس سےہمیں قطعاً گھبرانے کی ضرورت نہیں اگرہمیں ناکامی ہےتوکل ہمیں کامیابی ملے گی، اگرآج ہم نےٹھوکریں کھائی ہیں توکل بآسانی منزل تک پہنچنے کا ہمارے اندرعزم پیدا ہوگا، پوری اسلامی تاریخ میں اٹھنے اورگرنے کی تاریخ رہی ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی زندگی کوحضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کےسانچہ میں ڈھال لیں، اس کےبغیر کامیابی اورعروج وارتقاء ناممکن ہے، اللہ تعالی امت مسلمہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پران کےدعوتی مشن وطریقوں پرچلنے کی توفیق عطافرمائے۔

ایک خوش آئند قدم

راقم فرحت ومسرت کے ساتھ تحریر کررہا ہے کہ میرے استاذ محترم اورجدید وقدیم علوم وفنون کے ماہر، معمارنسل نو حضرت مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی نے اکابرین کی سرپرستی میں فضلائے مدارس کے لیے مرکز احیاء الفکرالاسلامی مظفرآباد میں دوسالہ ”ڈپلومہ ان انگلش لینگویج اینڈ لٹریچر“ کے کورس کا شعبہ قائم کیا، یقیناً اس شعبہ کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، اللہ نے اس کے لیے آپ کا انتخاب فرمایا۔

اس شعبہ کا مقصد یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ سے نکلنے والے طلبہ اپنا پیغام انگریزی زبان میں ان لوگوں تک پہنچاسکیں جو اپنے آپ کومسلمان کہلاتے ہیں،مگراردوعربی سے نابلد ہونے کی وجہ سے دین واسلام سے بےخبر ہیں، یا اسلام کے خلاف مستشرقین کی طرف سے ہونے والے اعتراضات کے جوابات دےسکیں اوراسلام کی حفاظت کو ثابت کرسکیں اور بتلاسکیں کہ اسلام ہی میں ہرجگہ اور ہرزمانہ میں قیادت کی صلاحیت ہے، اوراب اسلام ہی اللہ کا محبوب اور پسندیدہ مذہب ہےاوردین اسلام کےعلاوہ جوکوئی دوسری راہ اختیار کرےگا وہ اللہ کے یہاں مقبول نہیں بلکہ وہ خسارے کا کام ہے،اس لیے میں اپنے اساتذہ اورذمہ داران مرکز کومبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے یہ قدم اٹھایا اوروقت کی ضرورت کو پورا کیا۔

امید ہے کہ اس شعبہ سے فارغ ہونے والے فضلا دین اسلام کی خوب خوب اشاعت کریں گے۔

علم اورفن سے کروں اپنے وطن کی خدمت
اورلہودے کے کروں اپنے چمن کی خدمت

محمد شاکر مظفروی
مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

گوشہ خواتین

پردہ کے سلسلہ میں بوڑھی عورت کا حکم

محترمہ فاضلہ سارہ عزیزی ناظمہ جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات مظفرآباد

سورہ نور میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ’’اے ایمان والو! تمہارے مملوکوں کو اور جو تم میں حد بلوغ کو نہیں پہنچے، ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئے (ایک تو) نماز صبح سے پہلے اور (دوسرے) جب دوپہر کو قیلولہ کے لیے اپنے (زائد) کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) نماز عشاء کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردے کے ہیں، ان اوقات کے علاوہ (بلا اجازت آنے میں) ان پر کچھ الزام نہیں ہے؛ کیونکہ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس (پس ہر وقت اجازت لینے میں تکلیف ہے اور چونکہ یہ وقت پردہ کے نہیں ہیں، اس لیے ان میں اپنے اعضاء مستورہ کو چھپائے رکھنا کچھ مشکل نہیں) اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے اور جس وقت تم میں سے وہ لڑکے جن کا حکم اوپر آیا ہے (یعنی بالغ یا قریب البلوغ ہو جائیں) تو ان کو اسی طرح اجازت لینا چاہئے جیسا کہ ان سے بڑی عمر والے اجازت لیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے اور ایک بات یہ جاننا چاہئے کہ پردے کے احکام شدت فتنہ کے خوف پر مبنی ہیں، جہاں فتنہ کا عادۃً احتمال نہ ہو، مثلاً جو بڑی بوڑھی عورتیں ہیں جن کو نکاح (میں آنے) کی امید نہ رہی ہو (یعنی وہ محل رغبت نہیں رہیں) ان کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے اوپر کے کپڑے (جس سے چہرہ وغیرہ چھپا رہتا ہے، غیر محرم کے روبرو بھی) اتار رکھیں، بشرطیکہ زینت (کے مواقع) کا اظہار نہ کریں اگرچہ بڑی بوڑھی عورتوں کے لیے غیر محرموں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہے؛ لیکن اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے‘‘۔

اس سے پہلی آیات میں حجاب اور پردے کے احکام مفصل آ چکے ہیں اور ان میں دو استثناء ذکر کئے گئے ہیں، ایک استثناء ناظر یعنی دیکھنے والے کے اعتبار سے، دوسرا استثناء منظور یعنی جس کو دیکھا جائے اس کے اعتبار سے، ناظر کے اعتبار سے تو محارم کو اور اپنی مملوکہ کنیزوں اور نابالغ بچوں کو مستثنیٰ کیا گیا۔

اور منظور یعنی جس چیز کو نظروں سے چھپانا مقصود ہے، اس کے اعتبار سے زینت ظاہرہ کو مستثنیٰ کیا گیا، جس میں اوپر کے کپڑے برقع یا بڑی چادر باتفاق مراد ہیں، یہاں اس آیت میں ایک تیسرا استثناء عورت کے شخصی حال کے اعتبار سے یہ کیا گیا کہ جو عورت بڑی بوڑھی ایسی ہو جاوے کہ نہ اس کی طرف کسی کو رغبت ہو اور نہ وہ نکاح کے قابل ہو، تو اس کے لیے پردہ کے احکام میں یہ سہولت دی گئی کہ اجانب بھی اس کے حق میں مثل محارم ہو جاتے ہیں، مگر ایسی بڑی بوڑھی عورت کے لیے بھی ایک قید تو یہ ہے کہ جو اعضاء محرم کے سامنے کھولے جائیں، یہ عورت غیر محرم کے سامنے بھی کھول سکتی ہے، بشرطیکہ بن سنور کر زینت کر کے نہ بیٹھے، دوسری بات آخر میں یہ فرمائی ”وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ“ یعنی اگر وہ غیر محرموں کے سامنے آنے سے بالکل ہی بچیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایسی (بوڑھی) عورتوں کو اجازت ہے کہ وہ برقع اور چادر اتار دیا کریں، صرف دوپٹے اور کرتے پاجامے میں رہیں، مگر بوڑھی عورتوں کو اپنے بالوں کا پردہ ہر حال میں ضروری ہے۔

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: بچوں پر والدین کے اثرات
نام مؤلف: ڈاکٹر سیف راشد الجابری دوبئی
نام مترجم: مولانا حبیب اللہ ندوی دوبئی
صفحات: ۸۰/ قیمت: درج نہیں
ناشر: معہد امام حسن البناء شہید بھٹکل، کرناٹک

باخبر حضرات جانتے ہیں کہ امت میں جو رجال، علماء، صلحاء، اتقیاء، مجددین اور ائمہ پیدا ہوئے ہیں، ان کی سیرت سازی میں سب سے بڑا کردار ان کے والدین کے صلاح وتقوی کا ہے، اور والدین کے تقوی، ان کی پاکیزہ زندگی، ان کے اخلاق وکردار کا اثر انکی اولاد کے لیے دینی اعتبار سے تو ہوتا ہی ہے دنیوی اعتبار سے بھی ہوتا ہے، اللہ تعالی ان کی اولاد کے لیے ایسے انتظامات کرتا ہے کہ وہ دنیا والوں کے محتاج نہیں ہوتے، خالق کائنات ان کا خود خیال کرتا ہے اور ان کے لیے غیب سے انتظامات کرتا ہے۔

پیش نظر کتاب جو دراصل ایک عربی کتاب ''وکان ابوہما صالحا'' کا ترجمہ ہے، اس موضوع پر ایک اچھا دینی وعلمی اور ادبی مواد ہے، جس کو عربی میں دوبئی کے دارالافتاء والبحوث کے ڈائریکٹر ڈاکٹر سیف راشد الجابری نے تالیف کیا، اس کتاب کے مفید ہونے کی وجہ سے مولانا حبیب اللہ ندوی مدرس زبان عربی انڈین ہائی اسکول دبئی نے اس کا اردو میں سلیس اور شگفتہ ترجمہ کیا اور محترم مولانا ناصر اکرمی نے اپنے ادارے معہد امام حسن البنا شہید سے اس کی خوبصورت انداز میں اشاعت کی، گویا کہ یہ کتاب ظاہری اور معنوی اعتبار سے اپنے مواد اور اسلوب کے اعتبار سے ہر والدین کے لیے ایک شاہکار ہے۔

مصنف نے اس کتاب میں جو باتیں پیش کی ہیں، ان کی وضاحت خود کرتے ہیں کہ ''تمہید کے طور پر سب سے پہلے خاندان کی اہمیت کا ذکر کیا ہے، پھر خاندان کی اس حقیقی سعادت کی طرف اشارہ کیا ہے، جس کا خاکہ قرآن نے بنایا ہے، اس کے بعد اسلامی علم نفسیات اور جدید علم نفسیات کا موازنہ کیا ہے، پھر میں نے سعادت (خوش بختی وخوشحالی) کے بارے میں گفتگو کی ہے اور واضح کیا ہے کہ خاندان کی عزت وکرامت کی حفاظت ایک لازمی ذمہ داری ہے اور بتایا ہے کہ یہ ذمہ داری راست ہو اور اخلاق حسنہ اور آداب جمیلہ پر مشتمل ہو، پھر اس کے شرائط کا ذکر کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے انسان کی اور اس کی آل واولاد کی حفاظت اسی وقت ہوتی ہے جب خود بندہ اللہ کے دین کی حفاظت کرتا ہے اور اس پر بہترین طریقہ سے عمل پیرا ہوتا ہے، کیونکہ انسان کی فلاح کا دارو مدار اس کے اعمال پر ہے، اخیر میں میں نے کچھ ایسے واقعات وحکایات کا ذکر کیا ہے جو باعث عبرت ونصیحت ہیں، عقلمند وہ ہے جو دوسروں کے واقعات سے عبرت حاصل کرتا ہے، قصوں میں انسان کے لیے دل کی تسلی بھی ہوتی ہے، اور جماؤ بھی، سبق بھی ہوتا ہے اور فائدہ بھی''۔

مصنف کی وضاحت کے بعد مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے اس لیے اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جائے، مطالعہ میں رکھا جائے، امید ہے کہ قارئین ضرور اس سے استفادہ کریں گے، اور اپنی آنے والی نسلوں کے لیے اچھے اثرات مرتب کریں گے۔

نام کتاب: آؤ قلم پکڑنا سیکھیں!
نام مؤلف: مولانا فاروق اعظم عاجز قاسمی
صفحات: ۹۶/ قیمت: ۵۰/روپئے
ناشر: معینی دارالمطالعہ مشکی پور جمال پور، کھگڑیا، بہار

زیر تبصرہ کتاب نوجوان قلم کار مولانا فاروق اعظم عاجز قاسمی صاحب کے رشحات قلم کا ایک بیش بہا ادبی نمونہ ہے، جس میں انہوں نے قلم کی تاریخ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ قلم کے استعمال کے گر بھی بتلائے ہیں، مختلف

اصناف میں قلم کے رنگ دکھائے ہیں، مطالعہ کی رہنمائی کی ہے، صحت الفاظ اور صحت املا پر جامع گفتگو کی ہے اور مضمون نگاری کے لیے کافی نمونے بھی پیش کئے ہیں، قلم کی راہ اختیار کرنے والوں کے لیے یہ کتاب سنگ میل اور رہنما کتاب ہے، صرف طلبہ یا اس راہ کے نو وارد ہی اس سے استفادہ کے مجاز نہیں؛ بلکہ قلمکاروں کے لیے بھی ایک قیمتی چیز ہے، مصنف نے اپنی اس قیمتی کاوش میں جن عناوین کے تحت اپنے قلم کے موتی بکھیرے ہیں وہ تقریباً کل ۵۷رستاون ہیں: مثلاً

(۱) قلم کی تاریخ (۲) مضمون
(۳) کیا لکھنا ضروری ہے؟ (۴) لکھنے کے لیے کیا ضروری ہے؟
(۵) صحت الفاظ (۶) املا
(۷) مطالعہ کیوں؟ (۸) مطالعہ کن کتابوں کا ہو؟
(۹) طریقہ کار (۱۰) حاصل مطالعہ
(۱۱) مطالعہ کا ذوق کیسے پیدا کیا جائے؟
(۱۲) اسلاف کا مطالعہ (۱۳) مطالعہ کی رفتار تیز کیسے ہو؟
(۱۴) کب کیا مطالعہ کیا جائے؟۔
(۱۵) مطالعہ کے چند رہنما اصول (۱۶) رموز اوقاف
(۱۷) سرخی (۱۸) طرز اسلوب
(۱۹) برجستگی (خطوطی نویسی) (۲۰) نیکی کر دریا میں ڈال!
(۲۱) ایک مثال
(۲۲) دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے (اخلاص)
(۲۳) اردو کا خاندان (جائے پیدائش)
(۲۴) چند معروف سخن وران اردو (شاعر و ادیب)
(۲۵) اردو کے چند بلند پایہ اسلامی قلم کار و مصنفین
(۲۶) علم (۲۷) سب کا خالق اللہ ہے
(۲۸) نبی و رسول (۲۹) قرآن مجید
(۳۰) حدیث شریف (۳۱) سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم
(۳۲) تاریخ (۳۳) مدرسہ
(۳۴) ہندوستان (۳۵) دار العلوم دیوبند
(۳۶) وقت (۳۷) لائبریری
(۳۸) موبائل (۳۹) کون ہے؟
(۴۰) کردار و گفتار (۴۱) تیرا وجود الکتاب
(۴۲) زندگی کی اصل قیمت (۴۳) قرآنیات
(۴۴) حدیث (۴۵) فقہ و اصول فقہ
(۴۶) سیرت (۴۷) سوانح
(۴۸) خاکے (شخصیات) (۴۹) آپ بیتیاں
(۵۰) سفرنامے (۵۱) تاریخ
(۵۲) اخلاقیات (۵۳) دینیات
(۵۴) اردو ادب (۵۵) شعر و سخن
(۵۶) قواعد و لغت (۵۷) چند اور کتابیں

ان جیسے عناوین سے کتاب کی افادیت و اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

کتاب کی قیمت اور وزن کو بڑھانے کے لیے مشہور قلم کار مولانا ولی رحمانی صاحب کا مقدمہ، مولانا خالد سیف اللہ صاحب کا حرف معتبر، مولانا عبدالخالق سنبھلی صاحب کے حرف دعا اور مولانا نسیم اختر شاہ قیصر کا حرف شریں اور خود مصنف کا حرف آرزو بھی سونے پر سہاگہ کا کام کر رہا ہے، اور قارئین کو مہمیز لگا رہا ہے کہ وہ قلم پکڑنا سیکھیں:

اس لیے اہل ذوق کے لیے تاخیر مناسب نہیں، وہ اس کتاب کو حاصل کریں اور فائدہ اٹھائیں، امید ہے کہ یہ کتاب جس مقصد کے لیے وجود پذیر ہوئی ہے، اس میں کامیابی حاصل کرے گی اور لوگوں کو قلم پکڑنا سکھائے گی، اور مصنف کو قابل مبارک بادی اور تمام قلمکاروں کی طرف سے اجر و ثواب اور شکر گزاری کا مستحق بنائے گی، اور اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے۔

❁❁❁❁

Uloom\Album DU\Tif Files\A023.TIF not found.

حالات حاضرہ

عالمی خبریں News World

حافظ عبدالستار عزیزی

مرکز میں دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم کی تشریف آوری

۱۲/اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز پیر بعد نماز مغرب دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی، مفتی حبیب اللہ اور مولانا راشداللہ بجنوری کی معیت میں مرکز میں ایک وفد کے ساتھ تشریف لائے اور مرکز کے دونوں اداروں کا معائنہ کیا اور یہاں کے نظم وانتظام اور تعلیم کو سراہا۔

علماء گجرات کے ایک وفد کی مرکز میں آمد

۲۴/اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز سنیچر گجرات سے قاری اسماعیل بسم اللہ صاحب ایک وفد کے ساتھ تشریف لائے، ان کی تشریف آوری پر جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات میں ایک مختصر ثقافتی پروگرام منعقد ہوا، اس میں بچیوں نے استقبالیہ پروگرام پیش کیا، وفد نے ایک رات قیام کیا اور اگلے روز صبح ناشتہ کے بعد روانہ ہوئے۔

تقریب افتتاح بخاری

۲۸/اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز بدھ کو دارالعلوم وقف دیوبند سے فخر المحدثین حضرت مولانا شاہ انظر صاحب مسعودیؒ کے جانشین جامعۃ الامام انور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد خضر شاہ صاحب تشریف لائے اور مرکز کے ادارہ جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات میں بخاری شریف کا افتتاح کرایا، انہوں نے اپنے بیان میں بچیوں کو نیت کی درستگی اور علم حدیث کے سلسلہ میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں اس کو برداشت کرکے علم کی جستجو میں لگے رہنے پر زور دیا۔

مرکز میں ڈپلومہ ان انگلش لینگویج اینڈ لٹریچر کے دوسالہ کورس کا افتتاح

۲۸/اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز بدھ کو مرکز احیاء الفکر الاسلامی میں قائم ''ڈپلومہ ان انگلش لنگویج اینڈ لٹیریچر'' کے شعبے کے افتتاح کے لیے دارالعلوم دیوبند سے شعبہ انگریزی کے استاذ مولانا مفتی عبیداللہ صاحب قاسمی، اور مولانا محمد انوار خان قاسمی بستوی ٹیچر آن لائن افتاء دیوبند تشریف لائے۔

مفتی عبیداللہ اور مولانا انوار صاحبان نے انگریزی زبان میں طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کے دور میں انگلش پڑھنا اور پڑھانا نہایت ضروری ہے آئے دن اسلام کے خلاف جو شازشیں رچی جارہی ہیں یہ سب پر عیاں ہے، اگر ہمارے علماء انگیزی داں ہوتے تو اس قدر مستشرقین اپنے پروپیگنڈوں سے مسلمانوں کی شبیہ نہ بگاڑ سکتے، اس لیے ہم عربی کے ساتھ ساتھ انگریزی ضرور سیکھیں تاکہ مستشرقین کی طرف سے اسلام کے خلاف ہونے والے اعتراضات کا مثبت اور مدلل انداز میں جواب دے سکیں۔

عازمین حج کی حجاز مقدس آمد کا سلسلہ تیز

جدہ ۴/نومبر- دنیا بھر سے لاکھوں عازمین حج کی سعودی عرب آمد کا سلسلہ تیز ہوگیا، سعودی حکومت نے حج انتظامات کو حتمی شکل دینا شروع کردی، پانچ روزہ ایام حج کے لیے ۲۵/نومبر کو حجاج کرام کی مکۃ المکرّمہ سے منی روانگی شروع ہوگی، ۲۵/نومبر کو شروع ہونے والے پانچ روزہ ایام حج ۲۹/نومبر کو اختتام پذیر ہوں گے، پاکستان، بھارت، انڈونیشیاء اور مصر سے بڑی تعداد میں عازمین حج کی سعودی عرب آمد کا سلسلہ جاری ہے، ذرائع کا کہنا ہے کہ اس سال پچیس لاکھ سے زائد مسلمان فریضۂ حج کی سعادت حاصل کریں گے، جن میں سعودی عرب کے دس لاکھ شہری بھی شامل ہیں، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ سعودی عرب آنے والے عازمین حج میں سے اب تک باسٹھ عازمین مختلف بیماریوں اور ضعیف العمری کے باعث انتقال کرچکے ہیں۔

وفیات

۲۵/ستمبر بروز جمعہ ہندوستان کے معروف ومستند عالم دین، مسلک دیوبند کے امین وترجمان اور آگرہ شہر کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس رومی صاحب مختصر سی علالت کے بعد نواسی سال کی عمر میں رحلت فرماگئے۔

۱۳/اکتوبر بروز منگل ۲۰۰۹ء کو دہلی کے نامور عالم دین مولانا اخلاق حسین قاسمی کا انتقال ہوگیا ہے۔ ان للہ وانا الیہ راجعون

نقوش اسلام کے تمام قارئین سے درخواست ہے کہ مرحومین کے لیے دعائے مغفرت اور بلندی درجات کی دعا فرمائیں۔ (ادارہ)